ISLAMIC MILITARY SCIENCE ASSOCIATION
KUDS1
KARACHI-29

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ
وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا

بیسویں صدی کا مجاہد

ISLAMIC IDEALOGY ON WAR SERIES
IRTAQA-E-ADAB, KARACHI.

اسلامک آئیڈیالوجی آن وار سیریز

بیسویں صدی کا مجاہد

از

میجر جنرل محمد اکبر خان
ریٹائرڈ

ناشر
مکتبہ ارتقائے ادب کراچی

بیسویں صدی کا مجاہد

از

میجر جنرل محمد اکبر خان
رنگروٹ

ناشر

مکتبہ ارتقائے ادب
۳۹ آدم خاں مارکیٹ
بندر روڈ — کراچی

جملہ حقوق محفوظ

بار اوّل :- ———— فروری ۶۶ء

تعداد :- ———— ۱۲ سو

لیتھو پرنٹنگ :- ———— جاوید پریس

آفسٹ پرنٹنگ :- ———— سپر آرٹ پریس

بلاک پرنٹنگ :- ———— عاصی پرنٹرز

قیمت :- ———— دو (۲) روپے ۵۰ پیسے

میں اپنی اس تصنیف کو اپنے عزیز دوست
الحاج حکیم محمد یحییٰ مرحوم کی ناقابل فراموش
یاد سے منسوب و مخصوص کرتا ہوں۔

محمد اکبر خاں

دیباچہ

تاریخ ملل کے طالب اور ارتقائے ادب کے اعزازی نگراں کی حیثیت سے "اسلامک آئیڈیالوجی آن وار سیریز" کے عنوان سے فنونِ حرب و دفاع کے ایک مستقل سلسلہ اشاعت کا آغاز کرتے ہوئے مجھے یک گونہ مسرت کا احساس ہو رہا ہے۔ اس سلسلے کی پہلی کتاب "بیسویں صدی کا مجاہد" پیشِ خدمت ہے جو اتاترک غازی مصطفےٰ کمال پاشا کی عہد آفریں جدوجہد سے متعلق ہے۔ اس کے بعد ترکوں کے جہادِ آزادی کی مکمل تاریخ شائع کی جائیگی۔

متذکرہ بالا کتابیں میجر جنرل محمد اکبر خاں کی تالیفات ہیں۔ ان کے علاوہ اسلامک آئیڈیالوجی آن وار سیریز کی بیشتر کتابیں موصوف ہی کی تحقیق اور کاوشِ فکر کا نتیجہ ہوں گی۔ اس سلسلے میں دو باتیں خاص طور پر جواز طلب قرار دی جاسکتی ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ آخر اس اہم سلسلہ اشاعت کا آغاز ترکوں کی تاریخ سے کیوں کیا جارہا ہے۔ دوسری یہ کہ اسے صرف ایک ہی مصنف و مؤلف کے لیے کیوں مخصوص کیا جارہا ہے؟

پہلی صورت کے سلسلے میں یہ عرض ہے کہ اس وقت ترک سپاہیوں اور پاکستانی عساکر کی سرگرمیوں اور تاریخی جدوجہد میں ایک ایسی مطابقت اور مماثلت پائی جاتی ہے جسے دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔ مثال کے طور پر جس طرح ۱۹۲۲ء میں برطانیہ کے وزیرِاعظم لائڈ جارج نے یہ اعلان کردیا تھا کہ یونانی افواج نے ترکی کے عظیم شہر اناطولیہ کو فتح کر کے ترکوں کو عبرتناک شکست دی۔ اسی طرح ستمبر ۶۵ء میں ایک برطانوی جنرل نے لندن میں یہ بیان دیا تھا کہ بھارتی فوجوں نے لاہور اور سیالکوٹ پر قبضہ کر کے پاکستان کو شکست فاش دی ہے۔ یہ خبر بی بی سی اور اخبارات کے ذریعے ساری دنیا میں پھیل گئی تھی لیکن خدا کا شکر ہے کہ ان دونوں تاریخی مواقع پر ان "رجالِ محترم" کے اعلانات جھوٹے اور حقیقت کے قطعاً

برعکس ثابت ہوتے۔

اناطولیہ کے محاذ پر یونانی فوج تعداد میں ترک فوج سے بدرجہا زیادہ تھی۔ اس کے مشیروں کی حیثیت سے صدہا ماہرین جنگ اناطولیہ اور سقاریہ کے عظیم محاذوں پر موجود تھے۔ مغرب کا سارا پریس تمام دنیا کے مسلم آزادوں اور اسلام دشمنوں کو ترکوں کی سب سے بڑی شکست کا مژدہ سنا رہا تھا۔ متعدد اہم شہروں کی تسخیر کی خبریں شہ سرخیوں کے ساتھ چھاپی جا رہی تھیں لیکن مصطفےٰ کمال کی رہنمائی اور ترک فوجیوں کی جاں بازی کے نتیجے میں حملہ آور یونانیوں کو اپنے معاون انگریزوں کے ساتھ اس طرح بھاگنا پڑا جس کی نظیر صرف سیالکوٹ اور لاہور کے محاذ پر ملتی ہے۔ جہاں صرف ۴۳ سال کے بعد تاریخ نے خود کو دہرانے کے عمل کی تکمیل کر دی۔ بھارتی فوج پاکستان کی فوج سے کئی گنا زیادہ تھی اس کا سامان حرب بھی نہایت کثیر تھا۔ اور اسے نہ صرف مغرب کے بعض فوجی اکابر مشورے دیا کرتے تھے۔ بلکہ ایک سابق انگریز وائسرائے، ماؤنٹ بیٹن نے بھارت آکر بھارتی جرنیلوں کے پاکستان کے خلاف ملٹری "اسٹریٹیجی" سمجھائی تھی۔ برطانوی پریس اور ریڈیو نے مغربی پاکستان کے دارالحکومت لاہور اور متعدد شہروں پر بھارت کی فتح کا ڈنکا بجا دیا تھا لیکن جو کچھ ہوا اس پر پاکستان کو فخر اور بھارتیوں نیز ان کے مغربی حامیوں کو سخت ندامت ہے۔

ترک سپاہیوں اور پاکستان کے فوجیوں میں جو روحانی اور مزاجی مماثلت موجود ہے۔ اس کی تشریح کے لئے اس کتاب کا ایک مختصر اقتباس پیش کر دینا کافی ہے۔

"یہ مسلمہ امر ہے کہ ترکی سپاہی اسلامی جذبے کے بغیر دل سے نہیں لڑ سکتا اسلامی جذبے کے بغیر ترکی سپاہی حب الوطنی یا وطن پرستی کے مسلمے کو بھی سمجھنے سے عاری ہے اور جس حکم میں وہ اپنے مذہب کی حفاظت یا عظمت نہیں پاتا اس حکم کی تعمیل اپنے اوپر روا نہیں سمجھتا۔"

اس حقیقت سے کسے انکار ہو سکتا ہے کہ پاکستان کے فوجی فکری اور عملی طور پر عظمت

اسلام کے اس تصور کے حامل ہیں اور جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر محاذ پر وہ کارنامے انجام دیتے رہیں کہ دیکھنے والے دنگ رہ جاتے ہیں۔

ترکوں کی جدوجہد آزادی اور اسلامی استحکام کے سلسلے میں ان کے حریت آموز کارناموں کا آغاز گیارہ سو سال پیشتر ہوا تھا جو آج تک جاری ہے ترکوں نے بہ یک وقت صحرائے گوبی کے خوں آشام تاتاریوں اور مغرب کے تثلیث پرستوں کے حملوں کا مقابلہ کیا اور تاریخ کے صدہا طوفانوں میں اسلام اور آزادی کی شمع کو فروزاں رکھنے میں کامیاب ہوئے۔ اس کے علاوہ جب دنیائے اسلام اور قصر خلافت کی بنیادیں کمزور ہو گئیں اور مسلمان انتشار کا شکار ہو کر ہر جگہ خانہ جنگیوں میں مبتلا ہو گئے اور ستم بالائے ستم یہ کہ دول مغرب بلکہ پوری مسیحی دنیا انھیں نیست و نابود کرنے پر تل گئی اس وقت ترکوں نے علم توحید کو سرنگوں ہونے سے بچا لیا

ایک ہزار سال تک مسلسل جدوجہد کے بعد بیسویں صدی میں ترکانِ غیور کے قوائے عمل کسی حد تک سست اور مضمحل ہو گئے تھے اس صورت کے پیش نظر اہل مغرب نے جنگ عظیم اول (۱۸-۱۹۱۴ء) کے دوران ملت ترکیہ کو ختم کر دینے کا منصوبہ بنایا تھا لیکن ایک عظیم ترک مجاہد نے ان کے متصوبوں کو خاک میں ملا کر ترکی میں اسلامی نشاۃ الثانیہ کا آغاز کر کے اسے دوبارہ مستحکم اور ناقابل شکست بنا دیا۔ یہ ترک مجاہد مسلمانوں کے بطل عظیم اتاترک مصطفےٰ کمال پاشا تھے۔ جن کے حربی کمالات دفاعی معجزے اور جنگی مہارت کے فاتحانہ کارنامے ابھی تک دنیا کے سامنے نہیں لائے گئے

حال ہی میں یہ خوش آئند اطلاع ملی ہے کہ حکومت ترکی نے ترکوں کی جدوجہد آزادی کی مکمل تاریخ کی ترتیب و تدوین کا فیصلہ کیا ہے جو آٹھ یا دس جلدوں پر مشتمل ہو گی۔ فی الوقت میجر جنرل محمد اکبر خاں کی یہ کتاب جو اتاترک کے متعلق دنیا میں پہلی اور مستند ترین کتاب ہے، ان کی شخصیت اور کارناموں کو سمجھنے کے لئے کافی ہو گی۔

ترکی میں ملت ترکیہ کی مکمل تاریخ کی تدوین کے لئے ترکی کے کمانڈر انچیف جنرل کاظم کی مساعی بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ موصوف کی یہ خواہش بھی تھی کہ اتاترک کی سوانح عمری جلد از جلد

مرتب ہوجائے چنانچہ پاکستان کے سفیر ہز ایکسی لنسی سناسی اوریل نے جنرل محمد اکبر خاں سے رابطہ قائم کیا جس کے نتیجے میں جنرل صاحب نے نہ صرف مکتبہ ارتقائے ادب کو اس کتاب کی اشاعت ثانیہ کا فخر بخشا بلکہ ترکوں کی مکمل تاریخ بھی مدون فرما دی۔ ہز ایکسی لنسی سناسی اوریل نے متعدد تصویریں اور نقشے جو آج کل نایاب ہیں ان کتابوں کی تدوین و استناد کے لیے عطا فرمائے ہیں۔ اس نوازش خاص کے لئے ادارے کے جملہ ارکان ان کے از حد شکر گذار ہیں۔ ان تمام باتوں کے علاوہ ملت ترکیہ نے ستمبر ۱۹۶۵ء کے ہنگامی دور میں مملکت پاکستان کے ساتھ جس برادرانہ تعاون اور عملی دوستی کا اظہار کیا ہے اس کی سپاس گذاری کے لئے یہ کتاب ترک بھائیوں کی خدمت میں نذرانۂ اخلاص کے طور پر پیش کی جاتی ہے۔

ع گر قبول افتد زہے عز و شرف

اسلامک آئیڈیالوجی آن وار سیریز کے سلسلے میں دوسری بات یہ ہے کہ اس کی جملہ کتابیں جنرل محمد اکبر خاں کی تالیفات و تصنیفات پر مشتمل ہوں گی۔ اس صورت کا جواز اجمالی طور پر یہ ہے کہ موجودہ دور اختصاصی کمال و مہارت کا عہد ہے۔ اختصاصی مہارت (SPECIALISATION) کو یوں تو ہر جگہ اور ہمیشہ اہمیت دی گئی ہے لیکن اس زمانے میں اس اہمیت میں ہزار گنا اضافہ ہو گیا ہے۔ طب کے معاملے میں طبیب اور قانون کے معاملے میں وکیل ہی کچھ کہہ سکتا ہے۔

میجر جنرل محمد اکبر خاں حرب و دفاع کا فقید المثال علم اور تجربہ رکھتے ہیں۔ آپ کے افکار و تجربات کی ساری دنیا میں قدر کی جاتی ہے موصوف نے اب تک ۲۷ کتابیں اردو اور انگریزی میں رقم فرمائی ہیں جن میں سے بیشتر حرب و دفاع سے متعلق ہیں۔ یہ کتابیں پاکستان ملٹری اکیڈمی نیز بری و بحری اور فضائی افواج کے سلیکشن بورڈ کے مطابق داخل نصاب ہیں۔ یورپ اور ایشیا کی متعدد زبانوں میں ان کے ترجمے ہو چکے ہیں۔ اور مترجمین میں حضرت شیخ ابراہیمی اور مفتی اعظم فلسطین حضرت امین الحسینی جیسے مسلم اکابر و اعاظم شامل ہیں۔ جنرل صاحب کی کتابیں

الجیریا۔ ٹیونیشیا۔ مراکش۔ سعودی عرب، سوڈان اور عراق کے تقریباً ۳۷۰ جامعات اور اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہیں۔ آپ کی متعدد کتابیں۔ انڈونیشی زبان میں منتقل کی جا رہی ہیں۔

جنرل محمد اکبر خاں دنیا کے متعدد بڑے آدمیوں سے دوستانہ تعلقات رکھتے ہیں۔ برطانیہ کے تمام فیلڈ مارشلوں کے علاوہ ماؤزے تنگ، چواین لائی۔ خروشیف، ونسٹن چرچل ایٹلی، ڈاکٹر سوئیکارنو، لارڈ ویول، مائنٹ بیٹن وغیرہ کے اسماء آپ کے ذاتی دوستوں کی فہرست میں نظر آتے ہیں۔ برصغیر کے بیشتر اکابر آپ کے حلقۂ احباب میں تھے۔ ان میں مولانا محمد علی جوہر۔ قائد اعظم، مولانا شوکت علی۔ خواجہ عبدالحمید، لیاقت علی خاں، گاندھی جی۔ جواہر لال نہرو۔ سر تیج بہادر سپرو وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

جنرل صاحب نے ۱۸-۱۹۱۴ء کی خندقوں کی جنگ سے لے کر ۴۵-۱۹۳۹ء کی ایٹمی جنگ تک عسکری تنظیمات کے تمام مسائل و مراحل کا جائزہ لیا ہے۔ اسلامی دنیا آپ کے عسکری افکار و تجربات کی بڑی قدر دانی کرتی ہے۔ آپ شاہ سعود کی خصوصی دعوت پر سعودی عرب تشریف لے گئے تھے تاکہ عرب عساکر کو عہد نبویؐ اور خلافت راشدہ کے زمانے کا طریق جنگ اور غزوات کی ٹیکنک سمجھائیں۔ اس سے قبل جنرل صاحب چین۔ ہندوستان، برما، اور لنکا وغیرہ کی حکومتوں کی دعوت پر اسلام کی دفاعی سیاست کے موضوع لیکچر دینے کی غرض سے تشریف لے جا چکے ہیں۔

ان تمام خوبیوں اور فضیلتوں کے علاوہ جنرل صاحب کی شخصیت کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ آپ نے اپنے تمام نظام فکر و عمل کو قرآنی تعلیمات کے مطابق بنایا ہے۔ آپ فوج میں شاندار اور تاریخی خدمات انجام دینے کے بعد ملازمت سے سبکدوش ہوتے ہیں اور اپنی قوم میں اسلامی عسکریت و جہاد کا شعور پیدا کرنے کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ اسلامک ملیٹری سائنٹیفک سوسائٹی کا قیام اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

ISLAMIC IDEALOGY ON WAR SERIES
مکتبہ ارتقائے ادب نے جنرل صاحب کے تعاون سے

"اسلامک آئڈیالوجی ان وار سیریز" کی اشاعت کا آغاز کیا ہے۔ پیش نظر کتاب کے بعد "ترکوں کی جدوجہد آزادی، تیمور، اور خادمین حرمین شریفین" بھی جلد از جلد پیش کی جائیں گی۔ یہ تمام کتابیں ملت ترکیہ کی تاریخ سے متعلق ہیں۔

گذشتہ مہینہ قومی شکوہ و استقامت کی آزمائش کا مہینہ تھا۔ اس مہینے میں بقول صدر ایوب قوم نے اپنے آپ کو پہچان لیا۔

فضائیہ، بحریہ اور بری افواج کے فاتحانہ دفاع اور تاریخی شجاعت کے ناقابل فراموش کارناموں کے علاوہ اسلام آباد سے چاٹگام تک ساری قوم ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئی۔ لاریب کہ یہ نعرۂ جہاد کا معجزہ تھا۔ مادی وسائل کی کمی کے باوجود اتنا استحکام اور ہنگامی حالات میں ایسی تنظیم صرف جذبۂ جہاد اور ایمانی قوت کا کرشمہ تھی۔ پاکستان کے عالم، مورخ، سوانح نگار۔ اور مدبر سپاہی میجر جنرل محمد اکبر خاں کی تصانیف نے ملت کے شعور جہاد کی بیداری میں بڑا اہم حصہ لیا ہے اور مجھے امید ہے کہ ان کتابوں کے دوائر اثر وسیع سے وسیع تر ہوتے چلے جائینگے۔

جنرل صاحب کی کتابوں اور ان کی سرگرمیوں کی مقبولیت کے پیش نظر اس امر کا قابل فخر و مسرت اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا میں ایک بار پھر اسلامی حرب و دفاع کے اصولوں سے نہ صرف دلچسپی لی جارہی ہے بلکہ ان کی برتری بھی تسلیم کی جارہی ہے اسلامی حرب و جدال کی اس برتری پر مغرب کئی صدیوں سے پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن بقول شاعر

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا۔

شکیل احمد ضیا
۲۵ اکتوبر ۶۵ء کراچی

134 Sayılı Askeri Mecmua Tarih Kısmı
İstiklâl Savaşında Sakarya Meydan Muharebesi
Yazan: Kur. Alb. Hulûsi Baykoç

Kütahya ve Eskişehir Muharebeleriyle Sakarya gerisine çekilişi gösterir

Kroki — 1

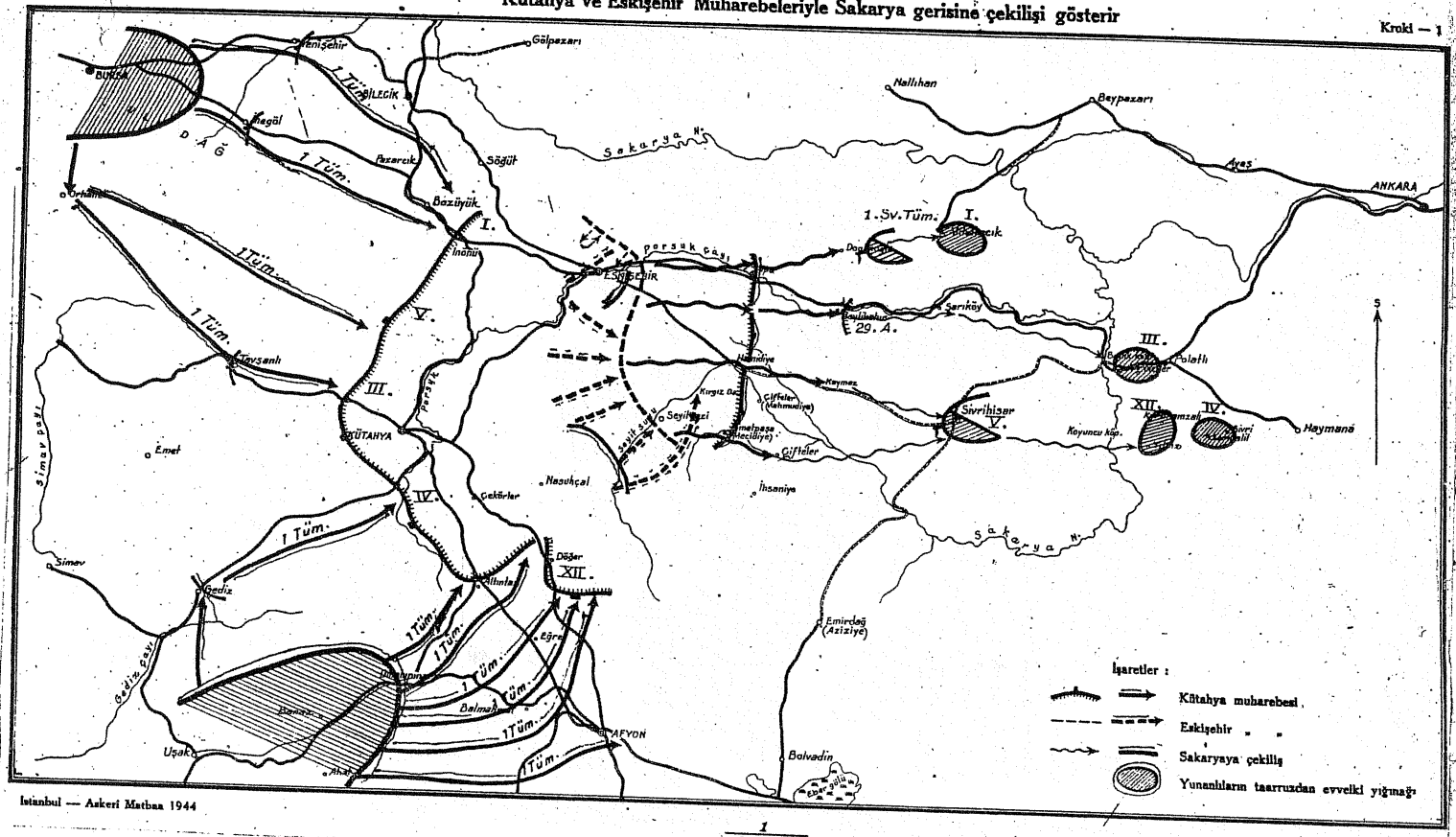

İstanbul — Askeri Matbaa 1944

1/800000

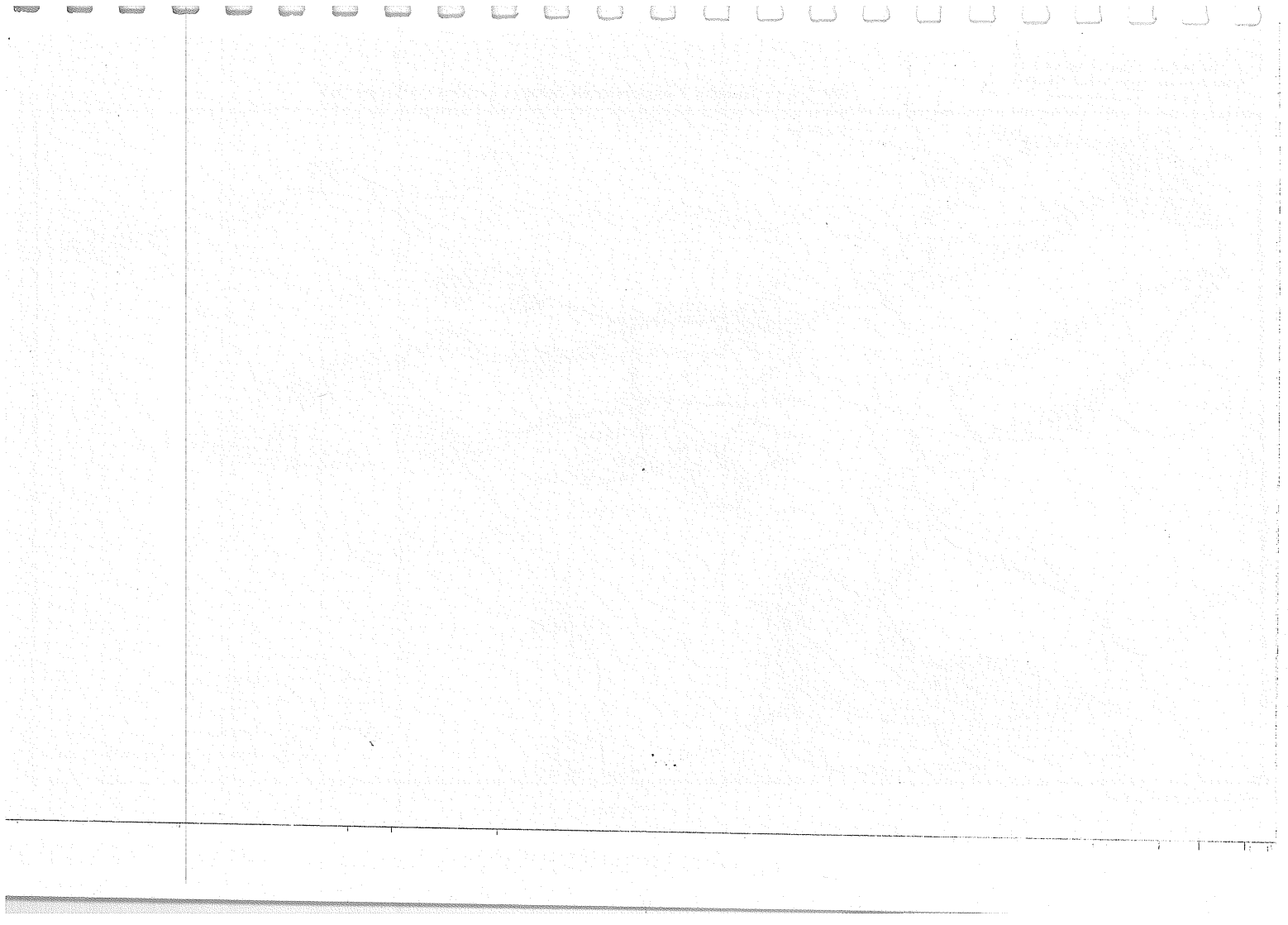

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

بیسویں صدی کا مجاہد

دیباچہ

اس سے قبل ہم ترکوں کی جدّ جہد کے مندرجہ ذیل عنوانات پر روشنی ڈال چکے ہیں۔

ماضی پر نظر

(۱) ایک باعزم انسان نے اپنے قبیلہ کا نام ترک رکھا۔

۲۔ اُس ترک قبیلے کے ایک فرد نے اشاعتِ اسلام کے جذبہ کے تحت جب ایک بڑا علاقہ فتح کر لیا۔ تو وہاں پر ایک حکومت قائم کی۔ جو "آلِ عثمان" کے نام سے منسوب ہوئی۔

۳۔ "آلِ عثمان" جب ترقی کی شاہراہ پر گامزن تھی۔ تو اس کو تیمور نے شدید نقصان پہنچایا۔ مگر "آلِ عثمان" اللہ تعالےٰ کے فضل اور اپنے دشمن یونانیوں اور اہلِ یورپ کے باہمی رشک و حسد کی وجہ سے پھر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔ کیونکہ ہر ایک ترک مجاہدانہ زندگی کا شیدائی تھا۔

۴۔ فتح قسطنطنیہ سے کچھ پہلے آل عثمان کے ایک سلطان نے بنو امیہ یا بنو عباسیہ کہیئے یا حکومت روما کی نقل کر کے ایک محافظ دستے کی بنیاد ڈالی۔ یہ دستہ جو شروع میں اس دفاعی اصول پر قائم کیا گیا تھا کہ اچانک حملے کی صورت میں دشمن کے خلاف اس دستے سے کام لیا جائے۔ تا آنکہ ترکی کی رضاکار فوج تیار ہو کر میدان میں نہ آ جائے۔ اور عثمانی حکومت ایسے دشمن پر جوابی حملہ کر کے اسے ملک سے باہر نہ نکال دے۔

یہ دستہ جو ابتدا میں حکومت کا محافظ و معاون تھا۔ بعد میں بادشاہ گر اور آل عثمان کی حکومت کے زوال کا باعث ہوا کیونکہ سلاطین

(ا) خود عیش و عشرت میں پڑ گئے اور امرا نے ان کی تقلید کی۔

(ب) علما بد دیانت اور طامع بن گئے تھے یا یوں کہیئے کہ اسلامی تعلیمات سے بہت دور ہو گئے تھے۔ لہٰذا ترک مجاہد نہ رہا۔ وہ محض کاشتکار یا مزدور بن گیا۔ ہاں اس میں کچھ حصہ تجارت پیشہ لوگوں کا بھی تھا۔

(پ) سیاست اور حکمرانی یہودیوں کے ہاتھوں میں چلی گئی جنہوں نے نہایت شاطرانہ طرز عمل سے پہلے تو سلطان و امرا کو نکما کر دیا۔ اور پھر ترکی عوام کو شمشیر زنی سے کہیں دور کر دیا۔ یورپ کی حسین مستورات نے ترکی کے سلاطین اور امرا کے دل و دماغ پر قبضہ کر لیا۔

نوبت بہ اینجا رسید کہ ترک جو دنیا میں علم دفاع کے اصولوں، دفاعی نظم و نسق اور آلاتِ حرب کے بہترین ماہر و موجد تسلیم کیئے جاتے تھے۔ اب اہلِ یورپ کے سامنے دامن پھیلا کر اس لیئے گیئے۔ تاکہ ترکی کے بدترین دشمن اس کی فوجوں کو منظم اور تربیت دے کر اسے دوبارہ ایک فاتح قوم بنا دیں۔ نتیجہ وہی ہوا۔ جو کہ گداگروں کا ہوتا ہے۔ کہ "ساری کی خاطر آدھی بھی ہاتھ سے جاتی رہی"۔

(ج) ترکی فوج کو یورپی لباس اور وردی پہنا دی گئی۔ توپیں کچھ تو فرانس سے آئیں اور کچھ برطانیہ سے۔ یہی حال ترکی بحری بیڑے کا تھا۔ بقول اقبال کے "ترک اب نہ تو ناری تھا اور نہ ہی نوری"۔

ہم نے جو حالات بیان کیے ہیں۔ وہ مختصر طور پر اٹھارہویں صدی سے متعلق تھے۔ اب ہم انیسویں صدی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

انیسویں صدی

انیسویں صدی کا آغاز ترکوں کے لیے بہت منحوس ثابت ہوا۔ اور اس صدی میں ہنگری، بلقانی ریاستیں، یونان، مقدونیہ، تھریس، کریٹ، مراکش، الجیریا، تونیسیہ، سارنیکا، طرابلس، مشرقی افریقہ اور مصر، حجاز و سوڈان، قفقاز، ایران، خراسان، ترکستان سب ترکی حکومت سے آزاد ہو چکے تھے۔ البتہ ۱۸۸۰ء میں سالونیکا کے مقام پر ایک ستارہ نمودار ہوا۔

اس صدی میں دوسری اسلامی حکومتیں بھی یکے بعد دیگرے

مغربی طاقتوں کے زیرِ سایہ آچکی تھیں۔ تمام عربستان پر مغرب چھاچکا تھا۔ تاریکی کے اثرات نمایاں ہوچکے تھے۔ کہ انیسویں صدی بھی ختم ہوگئی۔

بیسویں صدی اس صدی کا آغاز اسلامی حکومتوں کے درمیان فساد و عناد اور باہمی رنجش و حسد سے ہوا۔ اسلامی حکمران اب اپنے قدیم اور جانی دشمنوں کے روبرو رحم و کرم کی درخواست لیے حاضر تھے۔

عیسائی دنیا جو پہلے آلِ عثمان۔ ترکستانی، ترکوں اور مغلوں، افغانوں اور ہندوستان کے مغل حکمرانوں کے نام سے خوفزدہ ہوتی تھی۔ اب اُن سب پر خندہ زن تھی۔ ترک یورپ کا مریض انسان کہلاتا تھا۔ ہندی مغل کو مسخرا کہتے تھے۔ اور افغان اور عرب کو ایک ایسی لاعلاج بیماری کا مریض کہتے تھے جسے "پدرم سلطان بود" کے نام و عنوان سے پکارتے ہیں۔

گدڑی کے لعل مگر اللہ تعالےٰ کو کچھ اور منظور تھا۔ بارگاہِ الٰہی نے مختلف مقامات سے چند گدڑی کے لعل پیدا کیے۔ وہ مصطفےٰ کمال، مولانا محمد علی، محمد اقبال، محمد علی جناح، رضا شاہ پہلوی، ابن سعود جیسے اشخاص تھے۔

ہاٹ وار (HOT WAR) انیسویں صدی کی طرح سے بیسویں صدی میں بھی جنگ و جدل جاری رہا تھا۔

بلکہ یہ کہنا بہتر ہوگا۔ کہ بیسویں صدی کے پہلے نصف یعنی پچاس سال میں تقریباً پچپن ۵۵ لڑائیاں لڑی گئیں جس میں دو عالمگیر جنگیں تھیں۔ اور مشکل سے اس عرصہ میں پانچ برس میں کوئی ایسا عرصہ گذرا ہو جس میں کوئی جنگ نہ ہوئی ہو۔

لہٰذا ابھی تک ہم صرف ہاٹ وار (HOT-WAR) سننے کے عادی تھے۔ یعنی حکومتیں نہ باہم مشورہ کرتیں اور نہ ہی کوئی سمجھوتہ کرنے کی سعی کرتیں اور لڑائی شروع ہو جاتی تھی اور جب کسی حکومت اور اُس کے حلیفوں کی فتح ہو جاتی۔ تو بظاہر کچھ عرصے کے لیے امن ہو جاتا۔

ایک غلط فہمی :۔ فوجوں کے میدان جنگ میں لڑنے اور فاتحین کے جرنیلوں کی آؤ بھگت سے عوام کے زیادہ تر حصّہ کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے۔ کہ فوج والے لڑائیاں مول لیتے ہیں۔ مگر حقیقت میں یہ بات دُرست نہیں ہے۔ کیونکہ فوج کا سپہ سالار عام حالات میں مُلک کی بیرونی (خارجہ) پالیسی پر بہت کم اثر انداز ہو سکتا ہے۔ یہ فیصلہ کہ اپنے ملک کے دُشمن سے قبل ڈپلومیسی اختیار کی جائے یا طاقت سے کام لیا جائے۔ یہ فیصلہ صدر مملکت یا بادشاہ اور اُس کے اراکین حکومت کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے۔ کہ اگر ملک کا سپہ سالار دُور بین، قابل اور ملک کا خیر خواہ وفادار ہو تو اپنے اور دیگر ممالک کے اندرونی اور بیرونی، سیاسی

معاشی اور معاشرتی حالات کا صحیح جائزہ لے کر وہ اراکین سلطنت کو اپنے مشورے سے فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اراکین اُس کے مشورے کو تسلیم کریں یا اُس کی ترمیم کریں یا بالکل رد کر دیں۔ یہ بات اُس کے اختیار سے باہر ہے۔ اس مشورے کے بعد اُس کو حکومت جو حکم دیتی ہے۔ وہ اُسے ایمانداری اور جانفشانی سے پورا کرتا ہے۔ اور اب اُس کا اوّلین فرض یہ ہوتا ہے:۔

"کہ جنگ کو جلد سے جلد باوقار طریقے سے ختم کر کے دوبارہ امن قائم کر دے"

کئی بار ایسا بھی ہوا ہے۔ کہ اراکین مجلس کے کہنے میں حالات اس قدر سُرعت سے بدلتے ہیں۔ کہ لڑائی کا اعلان بجلی سے بھی کہیں زیادہ تیز رفتاری سے چلتا ہے۔ گو یہ طریقہ نہ تو صائب ہی کہلایا جا سکتا ہے۔ اور نہ اکثر اختیار کیا جاتا ہے۔ مگر پھر بھی ملک کے سپہ سالار کو ایسے سانحہ کا مقابلہ کرنے کے لیے بھی تیار رہنا چاہیئے

سرد جنگ یا کولڈ وار (COLD-WAR)

آجکل یہ لفظ بہت عام ہے اور بہت سے لوگ اسے نئی قسم کی بیماری تصوّر کرتے ہیں۔ اسے نہ تو ہٹلر یا گوبلز نے ایجاد کیا اور نہ ہی یہ اشتراکی حکومتوں کی ایجاد ہے۔ اس حربے کے آلاتِ حرب، ریاکاری، جھوٹ،

مبالغہ، بناوٹ، ظاہرداری وغیرہ جیسے عمل ہیں۔

سرد جنگ (کولڈ وار) ایسے وقت میں نمودار ہوتی ہے۔ جبکہ اقوام کے درمیان بدمزگی بڑھتی جارہی ہو۔ اور باہمی مصالحت میں جگہ جگہ رکاوٹیں نمودار ہوتی ہوں۔ تب جنگ چھڑنے کے امکانات پیدا ہوجاتے ہیں۔ ان حالات میں طرفین اس کوشش میں ہوتے ہیں۔ کہ لڑائی کم از کم اُس وقت تک شروع نہ ہو جب تک کہ حالات اُن کے ملک کے موافق نہ ہوں مثلاً :-

۱۔ اُن کے مخالفین دُنیا بھر کی نظروں میں غائب اور بانی فساد قرار دئے جائیں۔

۲۔ اُن کی اپنی حکومت کے زیادہ سے زیادہ اتحادی اور ہم خیال پیدا ہوجائیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

گو "کولڈ وار" میں ایٹمی بم یا راکٹ مسائل کا استعمال نہیں کیا جاتا۔ مگر طرفین اپنی دفاعی طاقت کو کئی گنا بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔ تاکہ ان کے مخالف کے دل میں خوف و ہراس پیدا ہو جائے۔ ہر بار دھمکی کی طرز نرالی ہوتی ہے۔ اور ہر طرح سے اخلاقی یا ذہنی شکست کے اثرات سامنے کرکے اپنے حریف کو ڈرایا جاتا ہے۔

جاسوسی، سیاسی چالیں، مکر و فریب، غلط بیانی، چرب زبانی جیسے حربے ریڈیو، اخبار، رسالے، پمفلٹ کی مدد سے کارگر بنائے

جاتے ہیں۔ بقول ہٹلر کے کہ "اگر جھوٹی بات بار بار بیان کی جائے تو آخر کار لوگ اسے سچ مان لیتے ہیں"۔

مذکورہ بالا حربے نہ صرف جنگ سے قبل ہی استعمال کیئے جاتے ہیں۔ بلکہ دورانِ جنگ میں بھی ان سے مسلسل مدد لی جاتی ہے۔ اور یہ سلسلہ جنگ کے خاتمے پر بھی اس لیئے جاری رہتا ہے تاکہ فاتحین کا کوئی فعل ناجائز یا غیر منصفانہ قرار نہ دیا جا سکے۔ ان کی مثالیں تلاش کرنے کے لیئے ہمیں دور نہ جانا پڑے گا۔ مثلاً دورانِ جنگ میں رُوسی فرشتہ خصلت تھے۔ اور جرمن اور جاپانی بربریت پسند اور وعدہ خلاف۔ مگر آجکل مغربی جرمنی اور جاپان کو اتحادیوں نے دوبارہ اپنا روپیہ دے کر پھر سے پاؤں پر کھڑا کر دیا ہے۔ اور اب رُوس دُنیا میں شر پھیلا رہا ہے؟

یہ تمہید ہم نے اس لیے لکھ دی ہے۔ کہ ہم میں بہت سے اصحاب ایسے ہیں۔ جو کہ ابھی ۱۹۱۴-۲۲ء کے پراپیگنڈے کے زیر اثر ہیں۔ اسی غرض سے ہم نے عالمگیر جنگ کے گیلی پولی۔ عراق اور فلسطین اور بعد کے واقعات قلمبند کیئے ہیں۔ تاکہ ہم اور آپ یہ معلوم کر سکیں کہ:۔

۱۔ ترکی حکومت جب بار بار یورپ کی مختلف حکومتوں کی نمائشی ہمدردی، دوستی اور عہد و پیمان کا بُرا مزا چکھ چکی

تھی، تو پھر وہ کیوں جرمنی کی معاون بنی؟

۲۔ ترکوں نے انگریزوں سے کیوں لڑائی مول لی جبکہ خلیفہ اور اکثر اراکین سلطنت برطانیہ کے وظیفہ خوار تھے؟

۳۔ جب مغربی طاقتوں نے اسلامی دنیا کے تمام معدنیاتی خزانوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ تو اب وہ ترکوں سے کونسی چیز حاصل کرنا چاہتی تھیں؟

۴۔ یہ کہ اتاترک نے یہ بیانات کن وجوہات کی بنا پر دئے:۔

(ا) مارچ ۱۹۲۴ء:۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے۔ کہ خلافت کے برقرار رکھنے کے لیئے ترکوں نے ہر جنگ میں شامل ہو کر اپنی ہستی کو مٹا دیا۔ لیکن اب ترک جو کچھ جدوجہد کریں گے، وہ خلافت کے لیئے نہ ہوگی۔ بلکہ اپنی قوم کی بقا کے لیئے ہوگی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وغیرہ"

دوسرا موقع (ب) موجودہ وقت میں خلافت کا وجود مذاق کے مترادف ہے۔ کیونکہ مسلمانان عالم مختلف حکومتوں کے زیر اثر یا ماتحت ہیں۔ بحیثیت خلیفہ اگر میں کوئی ایسا فتویٰ مسلمانوں کو دوں جو اُن حکومتوں کے منافی ہو۔ اور اُس پر عمل نہ ہو، تو خلیفہ اور خلافت کی کیا وقعت رہ جاتی ہے۔ لہٰذا اس برائے نام لقب خلافت کا خاتمہ کر دیا جائے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وغیرہ"

۵۔ کیا مسلمانانِ عالم نے ان تین نامور اور جنگ آزمودہ اور تجربہ کار برطانوی جرنیلوں کے تبصروں پر سنجیدگی سے غور کیا ہے؟ درحقیقت

یہ تبصرے صرف ترکوں کیلئے نہیں ہیں۔ بلکہ تمام مسلمانان عالم کے لئے ہیں۔
(ر) مجھے اس بات کا یقین ہے کہ ترکی قبیلے کا امیر یا ملک کا حاکم ترکوں سے اسلام کے نام کی دہائی دے تو ترکی سپاہی بڑے سے بڑے ایثار کیلئے خوشی خوشی آمادہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مذہب اسکی جان ہے، مذہب اسکی زندگی۔ اسلامی جذبہ اس کی خوشنما دنیا ہے۔ شہادت کے بعد بہشت بریں میں بطور شہید داخل ہونا اسکی تمناؤں کا مرکز ہے۔ جب ترکی سپاہی اسلامی جذبے سے لڑتا ہے۔ تو میری رائے میں اس سے زیادہ جانباز جنگجو اور بہادر لڑاکا سپاہی دنیا بھر میں اور کوئی نہیں ہے ۔۔۔۔۔۔ وغیرہ" (جنرل ٹاؤنشنڈ)
(ب) ینگ ترکی پارٹی نے احمقانہ طور پر یہ تصور کر لیا تھا کہ ترکی سپاہی کو مذہبی جذبے کا نہ تو احساس ہے اور نہ ہی مذہب کی وہ پرواہ کرتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ترکی سپاہی بلغاریہ میں مجاہدانہ انداز سے نہ لڑے۔۔۔۔۔ اناطولیہ کا ترکی سپاہی مذہبی جذبہ کے بغیر دل سے لڑائی نہیں لڑتا۔۔۔۔ ۔۔۔ وغیرہ۔ (جنرل ماڈ فاتح عراق عرب)
اسی بنا پر مصطفےٰ کمال نے ہر ترکی فرد کو "محمد" اور ہر ترکی عورت کو "فاطمہ" کے لقب سے پکار کر اپنے لشکر کو منظم کیا اور فاتح بنا۔ مگر دنیا کی یادداشت کی حالت ایسی ہے۔ کہ وہ سب باتیں بہت جلد بھول جاتی ہے۔ اور ریڈیو اور اخباری مقالوں کے زیر اثر رہتی ہے ۔

(محمد اکبر خان رنگروٹ)

İŞARETLER :
Türk ordusunun 13-21 Eylül - 921 durumu
ANKARA
Sakarya N.
Ankara suyu
ESKİŞEHİR
AFYON
Nallıhan
Beypazarı
Ayaş
Gimşit
İstanos
Sincanlı
Malıköy
Alagöz
Çakırkıran
Haymana
Eskiçalış
Sağluca
Ewliçakır
Eskikışla
Türbe T.
Kirazoğlu
Mangal Da.
Yarımdam
Gökgöz
Kokar
Yeniyapan
Tapaköy
Sadlı
Kandil
Ortakışla
Katırlı
Sinanlı
Sülüklü
Kayışoğlu
Çihanbeyli
Yüzükbaşı
Uzunbey
İshak uşağı
Saraykoy
Hacıfakılı
Kç.Hasan
A.Piribeyli
Kürtuşağı
Ören
Yunak
Emir dağları
Çogu
Karapınar
Bolvadin
Yeniköy
Çobanlar
Işıklar
Çay
Dumlupınar
Altıntaş
Çal T.
Döğer
Bayat
Emirli
Aziziye
Hisar
Davulga
Karacalar
Vaysal
Korice
Bağlıca
Kadıkuyu
Bardakçı
Gemiç
Seyitgazi
Mahmudiye
Karahasan
Yaverviran
Kaymaz
Karakaya
Beylikahır
Yalenli
Sarıköy
Mihalıççık
Akcahisar
Kaya
Y. İğdeağaç
Çukurhisar
III. Kor.
II. Kor.
V. Kor.
I. Kor.
Balhisar
Aravit Da.
İmrali
Beş köprü
Kolobe
Çandarlı Çif.
Ümraniye
Fettahoğlu köp.

عالمگیر جنگ یعنی خونی ڈرامے کے دونوں رُخ

خفیہ معاہدے

سنہ ۱۹۱۵ء میں جب جرمنی فوج کا فرانس اور اُس کے اتحادیوں پر زبردست دباؤ تھا۔ تو اُنہیں اور حلیف بنانے کی فکر ہوئی۔ لہٰذا برطانیہ اور فرانس نے روس کو اپنی انتہائی کوشش صرف کرنے کی غرض سے یہ لالچ دیا۔ کہ اگر وہ اُن کی اس آڑے وقت میں مدد کرے گا۔ تو فتح کی صورت میں اُس کے دیرینہ خواب کی تکمیل کی جائے گی۔ لہٰذا مارچ سنہ ۱۹۱۵ء میں ایک معاہدے پر تینوں حکومتوں کے دستخط ہو گئے جس کی رو سے روس کا درّہ دانیال پر قبضہ تسلیم کر لیا گیا۔

معاہدۂ لندن (LONDON PACT)

اپریل سنہ ۱۹۱۵ء میں چونکہ حالات میں کوئی تبدیلی

نہ ہوئی تھی۔ اس لیے جرمنی نے پولینڈ کا خاتمہ کر دیا تھا اور اُدھر رُوس کی اندرونی حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی تھی۔ لہٰذا ایک معاہدہ لنڈن پیکٹ لکھا گیا جس کی رُو سے اٹلی کو ترکی کا علاقہ عدلیہ جنگ میں رد کرنے کی صورت میں پیش کیا گیا۔

دو رُخی:۔ اتحادیوں نے شریف حسین اور دوسرے عربوں سے ۱۹۱۴ء میں خفیہ عہد نامہ کیا جس کی رُو سے عربوں کو آزادی دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی رُوس، برطانیہ، فرانس اور اٹلی نے ایک ایسے عہد نامے پر دستخط کر دئے جس کی رُو سے اسلامی عرب ممالک کی تقسیم کی بنیاد ڈال دی۔ اس کا نام سائیکس پیکٹ (SYKES PACT) تھا۔

شریف حسین کو جب اس خفیہ عہد نامے کی خبر ملی۔ تو اُس نے علاقے کے پولیٹیکل ایجنٹ کو مراسلہ بھیجا اور اُس وحشت ناک خبر کی تردید چاہی تو اس خط کا سر ہنری میکموہن نے یہ جواب دیا:۔

"میں حضرت شہنشاہ انگلستان کی طرف سے حتمی وعدہ کرتا ہوں کہ علاوہ شام و مصر کے بعض علاقوں جو دمشق، حمص اور حلب کے غرب میں واقع ہیں۔ ایسے علاقے جن کے مفاد میں ہمارا اتحادی ملک فرانس ہمارا شریک ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور باقی تمام عرب ممالک جہاں عربی زبان مروج ہے۔ آزاد تصور کیے جائیں گے۔"

شریف حسین اپنی خواب سے چونک کر بیدار ہوا۔ اور اُس نے

یہ خط کرنل لارنس کو دکھلایا۔ کرنل لارنس بہت تجربہ کار اور عیار انسان تھا۔ لہٰذا اُس نے سمجھدار دایہ کی طرح سے بے وقت بیدار ہونے والے بچے کو میٹھی سی لوری سنا کر دوبارہ سُلا دیا۔

شریف حسین کے لیے ایک حادثہ

شریف حسین اور دوسرے عرب امرا کو حکومت برطانیہ کے اعلان بلفور (BALFOUR DECLARATION) نے بُری طرح سے چونکا دیا۔ اس اعلان کے بموجب برطانیہ نے یہودیوں سے مالی امداد کے بدلے میں جنگ کے اختتام پر فلسطین میں ایک (NATIONAL HOME) اپنا قومی وطن قائم کرنے کا وعدہ کر دیا۔

برطانیہ کو جنگ کے لیے مالی امداد کی ضرورت تھی اور وہ صرف امریکی یہودیوں سے ہی مل سکتی تھی۔ لہٰذا مرتا کیا نہ کرتا۔ اب رہے عرب، اُن کو لارنس نے پھر سے تھپک کر سُلا دیا۔ اور ساتھ ہی تاکید کر دی۔ کہ ترکوں کے خلاف مستعدی سے لڑنے کے باعث اُن کی خدمات کسی حالت میں بھی فراموش نہ کی جائیں گی۔

نو نقد نہ تیرہ اُدھار

۱۹۱۸ء میں گو فضا اتحادیوں کے لیے بہتر تھی۔ مگر پھر بھی جرمنی ابھی تک فرانس کے بہت بڑے حصّے پر قابض تھا۔ روس میں اشتراکی دَور شروع ہو چکا تھا۔ برطانیہ کی مالی مشکلات بڑھتی جا رہی تھیں۔ اس لیے یہ ضروری تھا کہ عالمگیر جنگ کو جلد سے جلد

ختم کیا جائے۔ لہٰذا انہوں نے لائیڈ جارج وزیر اعظم کی زبانی یہ اعلان کیا۔

"ہمیں ترکوں کے قومی گھر سے کچھ تعرض نہیں ہے۔ البتہ عرب جو آرمینیہ، عراق، حجاز، شام اور فلسطین وغیرہ میں ہیں۔ یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ ان کی علیحدہ قومیت کو برقرار رکھا جائے وغیرہ۔"

امریکی صدر ولسن نے اس نظریہ کی اپنے "چودہ نقاط" میں فوراً ہی یوں وضاحت کی۔

"موجودہ حکومتِ عثمانیہ کو یقین دلایا جائے کہ ان کی سیادت (SOVEREIGNTY) محفوظ رہے گی۔ البتہ غیر ترک اقوام جو اب تک ترکوں کے ماتحت رہی ہیں۔ اُن کو یقین دلاتے ہیں کہ ان کو بلا مداخلت غیر سے خود مختاری حاصل کرنے کا موقع دیا جائے گا۔"

جب ہم دونوں اعلانوں کا مقابلہ کرتے ہیں تو ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ امریکی ڈپلومیسی اُس وقت برطانوی ڈپلومیسی سے بہتر ثابت ہوئی۔ اس کے اثرات پر ہم بعد میں تبصرہ کریں گے۔

متارکہ (ARMISTICE) ترکی حکومت نے صلح کرنے کی درخواست کی اور صلح یعنی متارکہ جنگ پر دستخط کر دیئے ابھی صلح کے عہد نامے پر دستخط بھی نہ ہونے پائے تھے۔ کہ اتحادی فوجیں نہایت ہی تیزی سے عثمانی علاقے پر قابض ہو گئیں۔

شریف حسین اور دوسرے عرب امراء نے اس پیش قدمی کو

مشکوک سمجھ کر جب احتجاج کیا۔ تو تیسری بار بھی وہ لارنس کی باتوں میں آ گئے۔ کہ یہ قبضہ محض عارضی ہے جو کہ دفاعی لحاظ سے ضروری سمجھا گیا ہے اور قبضہ سے اُن کو بہت مدد ملے گی۔ لہٰذا شریف حسین، خلیفہ اور شیخ الاسلام۔ مقدس مقامات کے بزرگ اپنی خوش عقیدگی کی وجہ سے رام ہو گئے۔

ایک غلطی گو یہ عرب بزرگ تو لارنس جیسے پولٹیکل افسروں کی بات مان گئے۔ مگر نوجوان امیر فیصل (شریف حسین مکہ کا بیٹا) مع لشکر صلح کے بعد دمشق میں داخل ہو گیا اور اُس نے "سلطان شام" ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس پر فرانس نے فیصل کو نہ صرف نکل جانے کے لئے کہا بلکہ جب وہ نہ مانا تو اُسے زبردستی وہاں سے نکال دیا۔ فیصل میدان جنگ میں معمولی سی جھڑپ کے بعد اپنی جان بچا کر مصر بھاگ گیا۔

ترکی فوج ترکی کی فوج ہر محاذ پر اتحادی فوجوں کے سامنے پسپائی اختیار کر چکی تھی۔ اب اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے تھے مصطفےٰ کمال کا گروپ کسی قدر اکٹھا اور منظم تھا۔ مگر یہاں بھی برطانوی بری اور ہوائی فوج کے دستوں کے علاوہ عرب دستے اُس پر بار بار حملے کر رہے تھے۔ تنظیم میں سب سے بہتر حالت کاظم قرہ بکیر کی فوج کی تھی جو کہ یورپی ترکی علاقے میں تھی۔

ایشیائی ترکی علاقے میں ترکی فوج کے دستے فلسطین، قونیہ

انجوں قرہ حصار و تزلی۔ انگورہ، بجدہ، سمرنا۔ بار لیکر، برو صہ، میلواس ارض روم اور دیار بکر وغیرہ میں تھے۔ مگر یہ سب بھیڑوں کے اس گلے کی مانند تھے جن کا کوئی چرواہا نہ تھا۔

اتحادیوں نے عثمانی سلطنت پر جلد از جلد قبضہ کرنے کی کوشش کی۔

۱۔ برطانیہ:۔ چنانچہ برطانیہ نے عراق۔ عربستان۔ حجاز۔ درّہ دانیال اور استنبول پر اپنی فوجوں کی مدد سے قبضہ کر لیا تھا۔

۲۔ فرانس:۔ فرانس نے شام، لبنان اور ارزم پر قبضہ کرنے کا اعلان کر دیا تھا۔

۳۔ اٹلی:۔ نے انطاکیہ اور قونیہ کے صوبوں پر قبضہ جما لیا تھا۔

۴۔ سمرنا اور اس کے اطراف پر یونان نے فوجیں بھیجنی شروع کر دی تھیں اور وہ یورپ کے ترکی صوبوں کے الحاق کا خواہاں تھا۔

۵۔ روس اپنے اندرونی انتشار اور دفاعی کمزوری کے باعث مجبور و معذور تھا۔ اور اتحادیوں کی وعدہ خلافی پر کینہ و انتقام کے لیے دانت پیس رہا تھا۔

۶۔ اب رہا امریکہ۔ اس کے لیے بچا ہی کیا تھا۔ لہٰذا وہ سخت ناراض تھا۔

ترکی شکست خوردہ فوج کا سپہ سالار | انور پاشا:۔ مصائب اور

خطرے کے مقابلے کی تاب نہ لاکر ترکستان بھاگ گیا۔ وہاں پر ترکی دستوں کی مدد سے اُس نے ایک حکومت قائم کرلی۔ اور اپنے آپ کو امیر بخارا کا لقب دے دیا۔

رُوسیوں نے اُسے تھوڑے ہی عرصہ میں ختم کر دیا۔ اور اس کی قبر اُسی سرزمین پر ہے۔ طلعت پاشا بھی رُوپوش ہوگیا اور غریب الوطنی میں مر گیا۔

جمال پاشا افغانستان بھاگ گیا۔ جہاں پر وہ امیر امان اللہ خان کا مشیر دفاع بن گیا۔

حکومت عثمانی ترکی نے تمام جرمن افسروں کو جرمنی چلے جانے کی اجازت دے دی۔ مارشل پیمان وان سانڈرس جو کہ ترکی فوج کا سپہ سالار تھا۔ کمال پاشا کے پاس گیا۔ تاکہ فوج کی سپہ سالاری اُس کے سپرد کر دے۔

کمال پاشا شہر اطنہ میں

کمال پاشا اطنہ کے شہر میں ایک ہوٹل میں مقیم تھا۔ جرمن مارشل اُس کو جب چارج دینے کے لیئے ملا۔ تو یہ عجیب قسم کی ملاقات تھی۔ کمال پاشا نے مارشل سے ہاتھ ملایا۔ چند لمحوں کے لیئے دونوں خاموش کھڑے رہے۔ آخر کار مارشل وان سانڈرس

نے جذبات پر قابو پا لینے کے بعد کمال نے ان الفاظ میں مخاطب ہوا:۔

"مجھے سخت افسوس اور رنج ہے۔ کہ صلح متارکہ کی شرائط طے ہو چکی ہیں۔ اور جرمن افسر اپنے وطن کو ایسے وقت میں لوٹ کر جا رہے ہیں جبکہ ترکی کی حالت نہایت ہی المناک اور پُر خطر ہے۔ اور میں ایسی حالت میں آپ کو ترکی فوج کی سپہ سالاری سونپ رہا ہوں۔

ایسے دردناک وقت میں مجھے یہ تسلی ضرور ہے۔ کہ میں اس نہایت ہی اہم ذمہ داری کو ترکی فوج کے قابل ترین ترک افسر کے حوالے کر رہا ہوں۔

یہ ضرور ہے کہ آپ میں اور مجھ میں اختلاف رائے رہا مگر میں ہمیشہ آپ کی قابلیت کا مداح رہا۔ اور یہ خیال ہمیشہ میرے ساتھ تا دم رہے گا۔ میں انا فارطہ میں آپ سے پہلی بار ملا۔ اور میں نے آپ کی سالاری کی قابلیت اور عزم کو میدان جنگ میں دُور اور قریب سے دیکھا جس کی وجہ سے میں ہمیشہ آپ کا مداح رہا۔

مجھے یقین ہے۔ کہ ترکی کے ترک سپہ سالار کا مستقبل شاندار ہوگا۔ یہی میری دُعا ہے ... ... وغیرہ"

اس قسم کے الفاظ کے بعد دونوں سالار مصافحہ کے بعد ایک

دوسرے سے رخصت ہوئے۔

کمال پاشا کا پہلا عمل کمال پاشا نے صدر اعظم کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں اس نے صلح کی شرائط کو ناقابل تسلیم قرار دیا اور درخواست کی۔ کہ وہ برطانوی یا کسی اتحادی فوج کو ترکوں کے وطن اناطولیہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ دیں۔ کیونکہ اگر وہ ایک بار ہمارے وطن میں داخل ہو گئے۔ تو ان کو باہر نکالنا سخت مشکل ہوگا۔ اسی مراسلے میں اس نے صدر اعظم کو یہ بھی بتایا کہ برطانوی ایجنٹ کیا کیا ریشہ دوانیاں کر رہے ہیں۔ مثلاً لارنس اور اس کے ہمنوا اب اناطولیہ میں آ گئے ہیں اور غداروں کو طمع اور لالچ سے حکومت کے خلاف بھڑکا رہے ہیں۔

عزت پاشا صدر اعظم عزت پاشا نے اس مراسلے کے جواب میں اپنی معذوری و بے بسی کا اظہار کیا۔ اور کمال کو لکھا۔ کہ خلیفہ نے شرائط قبول کر لی ہیں۔ لہٰذا کمال پاشا انگریزی افسروں کی مخالفت کی بجائے ان سے عزت سے پیش آئے۔ اور ان کی مدد کرے۔

کمال نے ان احکام کی تعمیل کرنے سے انکار کر دیا اور یہاں تک لکھ دیا کہ صدر اعظم ایسے افسر کو ترکی افواج کا سپہ سالار مقرر کرنا جسے خود ہی چھو کر بھی نہ گئی ہو۔ نہایت غیر دانش مندی اور بے غیرتی ہے۔"

استعفیٰ کے بعد کمال پاشا استنبول چلا گیا۔ وہاں پہنچنے پر اُسے معلوم ہوا۔ کہ انگریزوں کی بے جا مداخلت کو روکنے کی وجہ سے خلیفہ اور عزّت پاشا کے درمیان اختلاف ہو گیا ہے اور عزّت پاشا صدر اعظم کے عہدہ سے استعفیٰ دینا چاہتا ہے۔

مصطفےٰ کمال نے بہت کوشش کی۔ کہ صدر اعظم ایسا نہ کرے مگر خلیفہ نے وزارت توڑ دی اور داماد فرید پاشا صدر اعظم بنے گئے۔

عوام نے مخالفت کی۔ مگر برطانوی بحری بیڑہ اور فوج استنبول میں موجود تھی۔ لہٰذا خوف و ہراس کے باعث ہر جگہ خاموشی طاری رہی یہ بہت المناک فضا تھی۔ اناطولیہ وطن پرست افراد سے بالکل خالی نہ تھا۔ مگر وہ لوگ منتشر تھے۔ وہ حیران تھے۔ مگر انہوں نے عزم کو ہاتھ سے نہ جانے دیا البتہ غدّار پہلا وار کر چکا تھا۔ اُس کی جھولی اشرفیوں سے بھر چکی تھی۔ اُسے کسی دوسری چیز کی فکر نہ تھی۔

کمال پاشا پریشان ضرور تھا۔ کیونکہ خلیفہ اور ولیعہد دونوں نے اُسے انگریزوں سے تعاون کے لیئے حکم دے دیا تھا۔ اور اُسے یہ معلوم ہو گیا تھا۔ کہ استنبول میں کثرت ایسے لوگوں کی ہے۔ جو لالچی اور غدّار ہیں۔ اور جو ملک کو فروخت کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے مناسب یہی سمجھا۔ کہ حالات کے مقابلے کے لیئے کوئی صائب منصوبہ تیار کرے۔ سب سے ضروری امر یہ تھا۔ کہ کمال اپنے ہمخیال ترکی سالاروں سے تبادلۂ خیالات کرے۔ اُس کی نظر

میں کئی ایسے جانباز وطن پرست تھے۔

چند ترک مجاہد فیضوی پاشا: کمال پاشا کی نظر سب سے پہلے فیضوی پاشا پر پڑی۔ کمال اُسے بیوک (یعنی ترکی کا سب سے بہتر مجاہد) کے لقب سے پکارتا تھا۔ اسے ہی کمال نے "مارشل چکمک" کا عہدہ اُس وقت دیا۔ جبکہ وہ کمال خود "اتاترک" بنا۔

فیضوی کا قد لمبا تھا۔ وہ شراب بالکل نہ پیتا تھا۔ بلکہ وہ سگریٹ کا بھی عادی نہ تھا۔ وہ نماز، تلاوت قرآن مجید اور روزے رکھنے کا عادی تھا عیش و آرام طلبی سے اُسے نفرت تھی۔ وہ حلیم و ملنسار تھا۔ وہ ایک وفادار شوہر اور شفیق باپ تھا۔

وہ کم سخن مگر باعمل انسان تھا۔ وہ علم دفاع کا عاشق تھا اس لیے جب کبھی اُسے وقت ملتا۔ تو بطور تفریح دفاعی مضامین کی کتابیں پڑھتا۔ اُس کی نشست گاہ کے کمرے کی دیواروں پر ترکی کا بہت بڑا نقشہ آویزاں تھا جس کا وہ مطالعہ کرتا رہتا اور اپنے وطن کی حفاظت کے لیے دفاعی منصوبے سوچتا رہتا۔ اور مختلف رنگوں کی جھنڈیاں اُس پر لگاتا رہتا۔ اُس نے ترکی کے ہر دشمن کے لیے ایک خاص رنگ کی جھنڈی مقرر کر رکھی تھی۔ اُسے مناسب موقعوں پر استعمال کرتا۔

انور پاشا کے چلے جانے کے بعد اور کمال کے استعفےٰ کی وجہ

سے اب وہ سالارِ اعظم تھا۔

جاوید پاشا یہ بھی بہت قابل جرنیل تھا۔ جو جنگجو، بے باک اور محبِ وطن تھا۔ وہ جنگ آزمودہ جرنیل بھی تھا۔ اور سیاست دان بھی۔ اس میں ایثار کا مادہ بہت تھا۔ وہ ۱۹۰۸ء میں آستانہ کالج میں اقتصادیات کا پروفیسر تھا۔ پھر پرنسپل ہوگیا۔ مگر بعد ازاں نوجوان افسران احرار کا ممبر بن گیا۔ طرابلس کی جنگ میں کارنمایاں کیئے۔ پھر وزیر مال بن گیا۔ روسی و ترکی معاہدہ "قرص" میں اس نے بہت بڑا حصہ لیا۔

عصمت پاشا ایک بہت قابل جرنیل اور باعزم سالار تھا۔ وہ کم سخن تھا۔ مگر بہت دور اندیش۔ اس میں دلیری اور جانبازی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ خطرناک حالات کا استقلال اور ہمت سے مقابلہ کرتا۔ محبِ وطن بھی تھا۔ اور نیک سیرت بھی۔ وہ بعد ازاں عصمت انونو کہلایا۔

کمال پاشا عمر کے لحاظ سے ان سب سے چھوٹا تھا۔ لہٰذا یہ ان سب سے ادب سے پیش آتا تھا۔ مگر وہ سب کمال کی دل سے عزت کرتے تھے۔ اور ان سب کو کمال سے اُنس تھا۔

کاظم قرہ بکیر پاشا بہت قابل جرنیل مانا جاتا تھا۔ وہ جنگ آزمودہ تھا۔ اور دلیر بھی تھا۔

رؤف پاشا وزارت بحریہ میں اہم عہدے پر متعین تھا۔ اور ترکی ینگ پارٹی کا اہم رکن تھا۔

رافت اور علی فوات پاشا ترکی ینگ پارٹی کے رکن تھے۔ وہ انور پاشا کی پارٹی کے تھے اور محبان وطن کہلاتے تھے۔

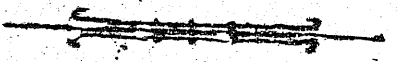

سیاسی کش مکش

اور

پیرس میں صلح کی موتمر

۶ مئی ۱۹۱۹ء میں امریکی صدر ولسن نے لائڈ جارج وزیر اعظم برطانیہ اور فرانس کے وزیر کلیمنشو وغیرہ نے یونانی مطالبہ کو تسلیم کرکے سمرنا یونانیوں کے سپرد کرنے کا فیصلہ کر دیا۔

کمال اور فیضوی اگرچہ یہ خبر ابھی شائع نہ ہوئی تھی۔ مگر جاننے والے اس سے بے خبر نہ تھے۔ جب کمال پاشا فیضوی پاشا سے ملنے کے لیئے گیا۔ اور کمرے میں داخل ہوا تو وہاں پر فیضوی اور جاوید نقشے کے سامنے خاموش بیٹھے اُس کا مطالعہ کر

رہے تھے۔ کمال نے "ببوک" سے پوچھا۔ کہ "حالات کیسے ہیں۔ اور یونان کے متعلق آپ حضرات کی کیا رائے ہے؟"

ببوک نے اپنی چھڑی کی مدد سے نقشے پر مختلف مقامات پر اشارہ کرنے کے بعد کہا۔ کہ خلیفہ اور اس کے چاپلوس طامع غداروں نے اپنی ذاتی نفس پرستی، لالچ اور بزدلی کی وجہ سے ہمارے وطن کے بہترین حصے ہمارے دشمنوں کی نذر کر دئے ہیں۔ مگر میں انشاء اللہ تعالےٰ ایسا نہ ہونے دوں گا۔ اور یہ غدار اپنے ناپاک ارادوں میں ہرگز ہرگز کامیاب نہ ہوں گے ہاں ہمیں قربانیاں دینی ہوں گی ... ... وغیرہ۔"

کمال اور جاوید دونوں فیضوی کے اس بیان کو سن کر اچھل پڑے۔ اور فوراً دونوں نے پکار کر کہا۔ کہ "اللہ تعالےٰ آپ کی زبان مبارک کرے ہم آپ کے ہم خیال ہیں اور آپ کے منصوبے کو کامیاب بنانے کے لئے جان کی بازی لگا دیں گے۔

تینوں کا حلف نامہ

ان تینوں نے یہ عہد کیا۔ کہ اناطولیہ میں نیشنل حکومت (-NATIONAL GOVERNMENT) قائم کی جائے گی۔ ہماری حکومت عثمانی حکومت کی جو کہ استنبول میں ہے۔ اس کے جاری کردہ احکام یا عہد نامے جو کہ وطن کے مفاد خلاف ہیں۔ ان کو ہرگز نہ مانے گی۔ اور ہر ممکن طریقے سے اس کی مخالفت کرے گی۔ قومی حکومت کا

اوّلین فرض یہ ہوگا۔ کہ وطن کو غلامی کے طوق سے بچا لیا جائے۔"
اس کے بعد کمال پاشا کو فیضوی اور جاوید نے اپنی نئی حکومت کا لیڈر تسلیم کر لیا۔

طرزِ عمل مصطفےٰ کمال پاشا کو تیسری ترکی آرمی جس کا مستقر ارض روم میں ہے۔ انسپکٹر جنرل مقرر کیا جائے۔ مگر اس عہدے میں انسپکٹر جنرل بحیثیت کمانڈر بھی ہوگا۔ تاکہ کمال پاشا یہ کام سرانجام دے سکے:۔

۱۔ تمام ترکی دستوں کو جو کہ شکست خوردہ ہونے کی وجہ سے منتشر ہو گئے ہیں یکجا کرے۔ اور اُن میں قومی جذبہ تازہ کر کے جہاد کے لیئے رضا کار بھرتی کرے۔

۲۔ عوام اور فوجیوں کو قومی حکومت قائم کرنے کی ضرورت اور اہمیت سے آگاہ کرے۔

۳۔ زیادہ سے زیادہ اسلحہ و آلات حرب جمع کرے۔ تاکہ وہ غداروں یا دشمنوں کے ہاتھ نہ پڑیں۔ فیضوی نے ان دونوں کو اپنا رازدار بنا کر بتا دیا۔ کہ وہ کن کن طریقوں سے ترکی سپاہی، سامانِ حرب و رسد سمندری جہازوں کشتیوں ریل اور دوسری باربرداری کے ذریعے ارض روم بھیجتا رہا ہے۔ اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

۴۔ جاوید پاشا کے ذمے استنبول میں سیاسی گتھیوں کو سلجھانا

قرار پایا۔ تاکہ فیضی اپنا سارا دھیان اور کوشش دفاعی معاملات کی طرف دے سکے۔

اس حلف نامے اور طرز عمل کے منصوبے سے ان تینوں کی محب وطنی کا پتہ چلتا ہے۔

جاوید پاشا نے خلیفہ سے مل کر اُسے اس قدر رام کر لیا کہ خلیفہ نے کمال پاشا کو بلا بھیجا۔ اور اُسے شمالی اناطولیہ کا انسپکٹر جنرل اور گورنر مقرر کر دیا۔ اور شاہی فرمان میں یہ بھی درج کر دیا کہ کمال پاشا تمام ترکی افواج کو یکجا کر کے منظم کرے۔ جاوید پاشا نے یہ کام اس عجلت اور خفیہ طریقے سے کیا۔ کہ برطانوی حکام کو اُس وقت پتہ چلا۔ جبکہ اُن کو اپنے ایجنٹوں سے اطلاع ملی۔ کہ کمال پاشا اتحادیوں اور خلیفہ کے خلاف بغاوت پھیلا رہا ہے۔ اور اُسے بہت خاصی کامیابی ہو گئی ہے۔ اور اُس نے جہاد کا اعلان کر دیا ہے۔ تاکہ تمام غیر ملکی لشکروں کو اپنے ملک سے باہر نکال دیا جائے۔ برطانوی خفیہ نگاروں نے کمال کے خلاف جلد اور کاری وار لگانے کے لیے درخواست کی۔

اتحادیوں کے لشکر متارکہ جنگ کے بعد

برطانوی وزیر اعظم لائڈ جارج موتمر (کانفرنس) میں جب بازی لے گیا تب فرانس بیدار ہوا۔ کہ جنگ میں فتح کا فائدہ تو برطانیہ نے اُٹھایا۔ اور فرانس

کی جانی اور مالی قربانی رائیگاں گئی۔

اشتراکی روس تو خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اُسے کچھ بھی نہ ملا۔ بلکہ اتحادیوں نے اُس کے گھر میں ہی آگ لگا دینے کے بعد اعلانیہ طور سے اُن کے ملک پر چاروں طرف سے حملہ کرنا شروع کر دیا۔

یونان ۱۳ مئی ۱۹۱۹ء کو یونان کی فوجیں برطانوی بحری جہازوں کی مدد سے سمرنا کی بندرگاہ پر رات کے وقت اُتاری گئیں۔ جنہوں نے ترکی بارکوں کو گھیرے میں لے لیا۔ اور ہتھیار ڈالنے کا حکم دیا۔ ترکی افسر نے جب یونانی افسر کا حکم نہ مانا۔ تو برطانوی افسر یونانی افسر کی مدد پر آئے۔ اور ترکی کمانڈر کو ہتھیار ڈالنے کا مشورہ دیا۔

جب ترکی افسر نے انکار کیا۔ تو لڑائی چھڑ گئی۔ ترکی فوج کا دستہ بہت چھوٹا تھا۔ لہٰذا بہت نقصان کے بعد انہوں نے اس شرط پر ہتھیار ڈال دئے۔ کہ اُن کو اور دیگر ترکی عوام کو امن و امان کے ساتھ برطانوی بحری بیڑہ سلامتی سے استنبول لے جائے گا۔

جب ترکی دستہ کو برطانوی جہاز "یورف" کی طرف لے جا رہے تھے۔ تو راستہ میں یونانی فوج نے ان نہتے ترکی سپاہیوں اور اُن کے بال بچوں کو قتل کر دیا۔

کچھ ترک جان بچا کر برطانوی امیر البحر کیلتھارپ کے پاس گئے

اور اُسے امان کا وعدہ یاد دلایا۔ اُس جگہ یونانی سپہ سالار اور اطالوی امیر البحر بھی تھے۔ اور کچھ فرانسیسی اور امریکی افسر بھی موجود تھے ان سب نے ترکی مرد، عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کو نہایت بربریت سے قتل ہوتے دیکھا۔ عورتوں کی عصمت دری کا مشاہدہ کیا۔ لوٹ مار، غارت گری کے ساتھ مساجد اور گھروں کو آگ لگاتے دیکھا۔ مگر ٹس سے مس نہ ہوئے۔

البتہ چند فرانسیسی اور امریکی افسروں نے ان مظالم کی تصویر کا نقشہ کتابیں لکھ کر مشتہر کیا۔ ان تصانیف کی بنا پر برطانوی پارلیمنٹ میں سوالات کیے گئے۔ اور اس بنا پر اتحادی فوج کی ہائی کمانڈ نے برطانوی ہار فرانسیسی جنرل نیوسکی۔ اطالوی جنرل دلولیو اور امریکی امیر البحر برسٹل کی ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی۔ جو تحقیقات کرتی رہی اور مظالم ہوتے رہے۔ بلکہ اب یہ مظالم وبا کی صورت اختیار کر کے استنبول تو کیا تمام اناطولیہ میں پھیل گئے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ جب ترکی عوام نے استنبول میں سمرنا کے مظالم کا حال سنا۔ تو ترکی عوام نے "سمرنا"، "ترکوں کا ہے"۔ کے نعرے لگائے۔

کمال پاشا نے یہ منحوس خبر شہر سمسون کے جنوب میں سرافراز علی میں جب سنی، تو جہاد کا اعلان کر دیا۔ کیونکہ اُس نے یہ بھی سنا۔ کہ خلیفہ اور داماد پاشا اتحادیوں سے پورا پورا تعاون کر رہے ہیں اور استنبول کے شہری عوام کے نعروں کو غدار اُمراء اور علما نے اس لیے

بند کر دیا۔ کیونکہ لارنس نے اُن کی جھولیاں بھر دی تھیں۔

برطانوی سیاست میدان عمل میں

برطانوی فوج رات کے وقت استنبول میں اُتر آئی اور اُس پر قبضہ کر لیا۔ خلیفہ نے برطانوی سالار کے ایماء پر کمال پاشا کو استنبول آنے کے لیے تار بھیجا۔ کمال خوب جانتا تھا۔ کہ اس تار کا مقصد کیا ہے۔ لہٰذا اُس نے خلیفہ کو مؤدبانہ وہاں آنے کی دعوت دی۔ تاکہ آزادی سے وطن کی خدمت کر سکے۔ اس تار کے ساتھ ہی خلیفہ نے برطانوی کمانڈر کو جو کہ سمسون میں تھا۔ کمال پاشا کو گرفتار کرنے کے لیے مراسلہ بھیجا۔ مگر کمال پاشا وہاں سے بچ کر نکل گیا۔ اور اماسیہ پہنچ گیا۔ جہاں پر کوئی اتحادی دستہ نہ تھا۔

اماسیا میں پہنچ کر کمال پاشا برابر اپنی دھن میں لگا رہا۔ اور شہر شہر قصبہ قصبہ پھر کر تقریر کرتا پھرا۔ وہ مختلف پاشاؤں اور بے اور فوجیوں کو جہاد کے لیے تلقین کرنے میں مصروف رہا۔ اور سب کو بھیس بدل کر سیواس میں جمع ہونے کی دعوت دی۔ تاکہ وہ سب تحریک وطنیت میں بحیثیت موتمر شامل ہوں۔ ان میں جنہوں نے یہ دعوت قبول کی۔ وہ رافت پاشا، علی فواد پاشا، رؤف بے۔ عارف بے تھے۔ جو کہ اماسیا میں آکر کمال پاشا سے مل گئے۔ اور یہ طے پایا کہ :-

۱۔ اب رضاکاروں کو باقاعدہ فوجی دستوں میں منظم کیا جائے۔
۲۔ ان دستوں کے لیے تربیتی مرکز (ٹریننگ سنٹر) کھولے جائیں۔
۳۔ روپیہ، سامان حرب و رسد جمع کر کے اُن کے مرکز قائم کیے جائیں
۴۔ اناطولیہ کو تین حصّوں میں تقسیم کر دیا۔ تاکہ ہر ایک سالار وہاں کی تنظیم کا ذمہ دار ہو۔

اس کے بعد سب موتمر اناطولیہ میں معیّن کردہ حصّوں میں کام کرنے کے لیئے روانہ ہو گئیے۔

جعفر طیار پاشا جو کہ ایڈریانوپل میں ایک طاقتور دستے کا سالار تھا۔ اُسے بھی وطن کے بچاؤ کے لیے دعوت نامہ بھیجا گیا۔

خلیفہ کو مراسلہ نگار برابر خبریں دے رہے تھے۔ خلیفہ نے کاظم قرہ بکیر کو جس کے پاس منظم فوج کا ایک ڈویژن تھا۔ کمال پاشا اور اُس کے معاونوں کو گرفتار کرنے کے لیئے روانہ کیا۔ مگر آخر کار کاظم قرہ بکیر بجائے کمال پاشا کو گرفتار کرنے کے خود کمال پاشا سے مل گیا۔

برطانوی سیاسی شطرنج اتحادیوں کی فوجیں اپنی اپنی حکومتوں کے مفاد کی خاطر زیادہ سے زیادہ ترکی علاقے پر قابض ہونے کی غرض سے بڑھنے لگیں۔ اب درحقیقت یہ دستے اتحادی نہ تھے۔ بلکہ انفرادی حکومتوں کے دستے تھے۔ جو کہ طمع اور لالچ کی آگ میں جل رہے تھے۔ حسد نے ان پر تیل چھڑک

کہ اس آگ کو بہت تیز کر دیا تھا۔

اگرچہ فرانس اس سے قبل حیران و ناراض تھا لیکن مایوسی نے اس کو انتقامی جذبہ میں تبدیل کر دیا۔ یہ ضرور ہے کہ برطانیہ نے بظاہر امیر فیصل کو دمشق سے نکالنے کے وقت فرانس کی مدد کی تھی۔ مگر فرانس نے یہ جلد ہی سمجھ لیا، کہ اندرونی طور سے برطانیہ، شام اور لبنان پر اپنا قبضہ چاہتا ہے۔ تاکہ یہودی (اسرائیل) اس کے زیر نگرانی رہیں۔

اٹلی کی حالت بھی ایسی ہی تھی۔ اور اشتراکی روس تو غضبناک تھا۔ برطانوی سیاسی ایجنٹوں نے عیسائی عناصر کی کئی انجمنیں قائم کر دی تھیں مثلاً:۔

۱۔ انجمن صلیب احمر یونان۔

۲۔ مجلس کشافہ یونان

۳۔ انجمن محبانِ انگلش۔ اس کا روح رواں کرنل لارنس تھا۔

ان انجمنوں کے علاوہ برطانوی سیاسی ایجنٹ جو کہ ہر فوجی دستے کے ہمراہ تھے۔ ایڈریانوپل، تھریس، ارض روم، لازستان، سمرنا، سمسون وغیرہ میں مقیم تھے۔ اور برطانوی پراپیگنڈہ زر کے زور سے کر رہے تھے۔ ان کے مددگار ترکی غدار سیاست دان تھے۔ جو زر خرید غلام بن چکے تھے۔

ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کہ برطانوی نظام بہت اعلیٰ پیمانے

کا تھا اور وہ ترکی علاقے کے چپہ چپہ پر چھا گیا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ترکی کی نجات ناممکن ہے۔ کیونکہ خلیفہ نے اپنا ضمیر اور اختیار ایک معقول پینشن کے عوض بیچ دیا تھا۔ اُدھر شیخ اسلام آفندی نے جب یہ دیکھا۔ کہ خلیفہ خود وظیفہ خوار بن گیا ہے۔ لہٰذا اُس نے اپنی عقیدت اور علمی وقار و بزرگی کو لارنس کے ہاتھ بیچ دیا اور اسلامی مقدس مقامات کے سجادہ نشینوں نے بھی لارنس کے ایجنٹوں کے غلام بن کر رہنا پسند کر لیا۔

انتقام فرانس کے سفیر میسو لولون کے کمال پاشا کی مجلس موتمر سیواس کی مدد کرنی شروع کر دی۔ اٹلی نے بھی فرانس کا ساتھ دے دیا۔ رُوس نے بلا کسی شرائط کے اسلحہ اور سامان رسد اور وردی وغیرہ کمال کو مجاہدین کے لیے پیش کی اور ایک خفیہ معاہدے پر دستخط ہو گئے۔

ان تینوں طاقتوں نے کمال پاشا کی مجلس کی روپیہ سے مدد کرنی شروع کر دی۔

خلیفہ اور کمال پاشا برطانوی ایجنٹ ہوشیار تھے۔ یُوں کی طاقتوں کی مدد کو دیکھ کر برطانوی پولٹیکل افسر نے خلیفہ کو مشورہ دیا۔ کہ جس طرح بھی ممکن ہو۔ کمال پاشا کو ہاتھ میں لے لے۔ خلیفہ نے کمال کے پُرانے رفیق عبدالکریم پاشا کو جو اپنی سادگی، نیک دلی اور خلافت کا حامی تھا۔ اُسے کمال پاشا

صدر موتمر سیواس کے پاس بھیجا۔ مگر عبدالکریم ناکام واپس ہوا۔

اب برطانوی حکم پر خلیفہ نے فرید پاشا کو صدر اعظم کے عہدے سے ہٹانے کا مشورہ دیا۔ خلیفہ نے اس کی جگہ علی رضا پاشا کو صدر اعظم مقرر کر دیا۔

کمال نے اس تبدیلی کو اپنی سیاسی فتح قرار دے کر خوب پراپیگنڈہ کیا۔ جس کا عوام اور کمزور دل امراء پر بہت اثر ہوا۔ اور سیواس میں بے شمار نمائندے جمع ہو گئے۔ کمال جب سیواس کی طرف جا رہا تھا۔ تو خلیفہ کے ایجنٹوں کے ہاتھ سے گرفتار ہوتے ہوتے رہ گیا۔ اس طرح سے کئی نمائندے جو موتمر مجلس کے لئے آ رہے تھے۔ راستے میں پکڑے گئے۔ بہرحال مجلس کامیاب رہی۔ کمال نے پاشا کے لقب اور عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔ سیواس میں قیام خطرناک تھا۔ گورنر سیواس اور وہاں کی ترکی فوج کا دستہ کمال کے ہمدرد بن گئے۔ اس لئے مصطفےٰ کمال نے جب انگورہ کو اپنا مستقر بنانا چاہا تو سب نے شدید مخالفت کی۔ کیونکہ خلیفہ نے نیا فرمان جاری کر دیا ہے۔

کٹھ پتلی خلیفہ کٹھ پتلی کی طرح سے برطانوی پولٹیکل ایجنٹوں کے مشوروں پر کام کر رہا تھا۔ جنھوں نے مناسب یہی سمجھا۔ کہ خلیفہ سے کہہ کر نئے انتخابات کی بنا پر ملک کے تمام ذی اثر لوگوں کو استنبول میں جمع کیا جائے۔

جال پھیلا دیا گیا

فرانسیسی اور اطالوی حکومتوں نے سیواس کے عہدنامے کے احتجاج میں اپنی فوجوں کو ہٹانا شروع کیا تو برطانوی دستے بھی اناطولیہ کے اندرونی حصوں سے ہٹ کر بندرگاہوں کی طرف سمٹ آئے۔ ترکی امراء جو ابھی تک گوشۂ تنہائی میں تھے۔ اب باہر نکل آئے اور غداروں کے زبردست پراپیگنڈے کی بنا پر سب ذی اثر ترک لوگ استنبول کی طرف ایشیائی اور یورپی ترکی سے چل پڑے۔

مصطفےٰ کمال نے ہر ممکن ذرائع سے ان حضرات کو روکنے کی کوشش کی۔ مگر وہ اس قدر زیر اثر تھے کہ سب کے سب اُسے اکیلا چھوڑ کر اس غرض سے چلے گئے کہ کہیں وہ کسی سے پیچھے نہ رہ جائیں۔

کردوں میں بغاوت

اس کے ساتھ ہی برطانوی پولٹیکل افسر میجر نویل نے کردستان میں بغاوت برپا کرادی شہر ملاطیہ میں اپنا مرکز بنا لیا۔

ترکی پارلیمنٹ کا اجلاس

وہاں پر کئی قسم کے ممبر تھے زیادہ تر تو وہ لوگ تھے۔ جن کی جیبوں کو اشرفیوں سے بھر دیا گیا تھا۔ لہٰذا وہ لوگ مصطفےٰ کمال کو غدار اور ملک کا دشمن قرار دے رہے تھے اور خلیفہ کی مدح سرائی کر رہے تھے۔

ان حضرات نے بڑھ چڑھ کر اپنی قومی خدمات کا راگ الاپنا شروع کر دیا۔ اور بعد ازاں نوبت یہاں تک پہنچی۔ کہ ہر ایک یہ کہنے لگا۔ کہ غیر ملکی فوجیں اُن کی وجہ سے نکالی گئی ہیں۔ اور ہر ایک نے برطانیہ اور یونان کو ملک کا دشمن کہنا شروع کیا۔ اور اس بات پر مصر ہوئے کہ حکومت (یعنی خلیفہ) ان حکومتوں کو نکل جانے کا حکم دے۔ محبِّ وطن یہی لوگ تھے۔ اور ان کے بیانات جب بے اثر ہو گئے۔ تو برطانوی حکام نے اُمورِ خارجہ میں مداخلت کی۔ اس پر اور بھی زبردست احتجاج ہوا۔

برطانوی پولیس ایکشن اور فیصلہ کن رات | ۱۵ مارچ ۱۹۲۰ء کو

جب سورج غروب ہو گیا۔ اور تاریکی چھا گئی۔ تو برطانوی فوج نے تمام اہم مستقروں مثلاً دارالخلافہ میں پارلیمنٹ، اراکین سلطنت کے مسکن، قرہ قول بایزید کی چھاؤنی، سرائے یعنی محل شاہی وغیرہ سب کو گھیر لیا۔ جہاں ترکی فوجی دستوں نے مزاحمت کی۔ اُن کو قتل کر دیا گیا۔ یہی حشر اُن عوام کا ہوا۔ تقریباً سب پاشا جو دارالخلافہ میں پارلیمنٹ میں شرکت کے لیئے آئے تھے۔ گرفتار کر لیئے گیئے اور ان کو برطانوی جہازوں پر لاد کر مالٹا کی طرف روانہ کر دیا گیا ان میں رؤف بے، فتحی بے، عصمت پاشا، فیضوی ڈاکٹر عدنان وغیرہ تھے لیکن ان سب میں سے بہت سے استنبول کے بندرگاہ سے

ہی جہازوں پر غائب ہو گئے اور کچھ بعد ازاں فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

جو لوگ بچ گئے۔ اب وہ سب کے سب چھوٹے اور بڑے مصطفےٰ کمال کی طرف اناطولیہ چلے گئے۔

استنبول میں بہت سے خاص اور عظیم المرتبت افسروں کے بچ نکلنے کی وجہ سے برطانوی افسروں نے بے شمار مظالم ڈھائے مصنف نے کئی برطانوی افسروں کے گھروں میں اس سانحہ کے بعد نہایت قیمتی اشیاء جس میں سونے اور چاندی کے کافی پینے کے سٹ، گھڑیاں، زیورات شامل ہیں۔ اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ یہ چیزیں اُن تاریخی بیانات کی تصدیق کرتی تھیں کہ برطانوی فوج نے شہر کو جی بھر کے لُوٹا۔ عورتوں کی عصمت دری کی گئی۔ ذرا سی مزاحمت پر ترکی شہری کا سر قلم کر دیا گیا۔

حامئ دین خلیفہ خوش تھا۔ کہ اب دار الخلافہ میں اس کا ایک بھی دشمن باقی نہیں رہا۔ بظاہر خلیفہ کا خیال صحیح تھا۔ مگر شہر میں بہت سے لوگ چھپے بیٹھے تھے۔ جو کہ بھاگ جانے کے لیئے صرف موقع اور وقت کے متلاشی تھے۔ خلیفہ دراصل اس بات سے باخبر تھا۔ کیونکہ اُس نے یہ اعلان کیا۔ جسے مسجدوں، بازاروں اور گلیوں میں پڑھا گیا۔

خلیفہ کا اعلان | جو شخص کسی قوم پرست افراد کو امان دے گا۔

وہ سزائے موت کا مستوجب ہوگا۔"

فرمان خلیفہ:۔ اس کے علاوہ خلیفہ نے ایک فرمان شائع کیا جس کا لب لباب یہ تھا۔

۱۔ اناطولیہ کی تحریک باغیانہ تحریک ہے۔

۲۔ اس کے زعما غدار ہیں۔

۳۔ ہر مسلم کا اخلاقی اور فرض ہے کہ خلیفہ مومنین کے فرمان کی تعمیل بدل وجان کرے اور اعدائے وطن کافروں کو مٹا دیا جائے۔

۴۔ مصطفےٰ کمال باغی کا خون مباح ہے اور اس کا قتل دین و دنیا کی سعادت وغیرہ۔

اس فرمان کو ہوائی جہازوں کے ذریعے سے تمام اطراف میں گرایا گیا تاکہ عوام خلیفہ کے فرمان سے خبردار ہو جائیں۔

سلیمان پاشا کا لشکر

خلیفہ نے یہاں تک پہنچکر بھی صبر نہ کیا بلکہ سلیمان شوکت پاشا کے ماتحت ایک بہت جرار لشکر برطانیہ کے اشارے پر احرار کے خلاف روانہ کر دیا اور مارچ ۱۹۲۰ء میں یہ لشکر اناطولیہ میں داخل ہوگیا۔ اس لشکر کا کوچ برطانوی رسم کے بموجب نہایت شان و شوکت آور فاتحانہ انداز کا تھا۔ مصنف نے جب اس کوچ کا حال پڑھا۔ تو اپنی فوجی زندگی کے لیے "مارچ" نظر کے سامنے

سے گذر گئے۔ اس فوج کے ساتھ ترکی کا مشہور "ہتر بینڈ" تھا۔ اور علمائے کرام قریہ بہ قریہ اور گاؤں گاؤں خلیفہ کے حق میں جہاد کے لئے عوام کو تلقین کر رہے تھے۔

شوکت پاشا نے اس لشکر کو حیدر پاشا شہر سے دو حصوں میں تقسیم کر دیا:۔

۱۔ ایک حصہ ازمت کے بوٹو۔ اطہ بازار سے سمسون کی جانب روانہ ہوا۔

۲۔ سمرنا سے بروصہ۔ افیون قرہ حصار اور قونیہ کی جانب۔

۳۔ سمسون اور قونیہ سے دونوں لشکروں کو انگورہ یا اماسیا جہاں بھی احرار ہوں۔ گرفتار کرنے کا حکم تھا۔

شوکت پاشا کے لشکر نہایت ہی آہستہ آہستہ بڑھے اُن کو وقت کی بالکل قدر نہ تھی۔ احرار کا لشکر ایک چیونٹی کی مانند تھا۔ شوکت پاشا اسم بامسمّٰی تھا۔ وہ جہاں جاتا اُس کا خیر مقدم کیا جاتا۔ قصیدے پڑھے جاتے اور علما مدح خوانی کی تقریریں کرتے۔ شوکت پاشا روزانہ اپنے مراسلے خلیفہ کو اس طرح سے بھیجتا۔ جیسے وہ دشمن کے مالک میں ہے۔ اور فتح ہر مقام پر اُس کے قدم چوم رہی ہے۔

عوام پر اس کروفر اور مغرور فوج کا بار بہت گراں تھا۔ سپاہی اور افسر سخت عیاشیوں پر اُتر آئے۔ اور جہاں لوٹ کھسوٹ یا

نفس پرستی میں مزاحمت ہوتی۔ وہاں پر اُن عوام کو بے دردی سے گولی کا نشانہ بنا دیا جاتا اور مکان تو کیا محلے یا گاؤں اس غرض سے جلا دئے جاتے تاکہ لوگوں کو عبرت ہو اور وہ خلیفہ کے احکام کی بلا چوں وچرا تعمیل کریں۔

معاہدہ سیورس (SEVRES) اس سے قبل کہ کچھ اور تحریر کیا جائے۔ دو اہم معاہدوں پر نظر ڈالنی چاہیئے۔ ایک تو معاہدہ سیورس ہے۔ اور دوسرا معاہدہ ورسائی۔

معاہدہ سیورس کے چند اہم نقاط:۔ ۱۔ خلافت قائم رہے گی۔ اور خلیفہ کے ذاتی اخراجات مقرر کرتے وقت خلیفہ کے حقوق کا احترام کیا جائے گا۔

۲۔ حکومت عثمانیہ کا دائرہ حکومت ایشیا مائنر تک محدود کر دیا جائے گا۔ البتہ اُن کو بحیرۂ اسود (BLACK SEA) کے ساحل پر کچھ حصّہ دے دیا جائے گا۔

۳۔ ارمنی لوگوں کو اپنی خود مختار حکومت بنانے میں مدد دی جائے گی۔

۴۔ عربوں کو بتدریج آزادی دی جائے گی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وغیرہ۔

معاہدے کی ترجمانی خلیفہ نے اس معاہدے پر اس لیئے دستخط کر دئے۔ کہ وہ بذاتِ خود خلیفہ

رہے گا۔ اُسے عیش و طرب کے لیئے سالانہ وظیفہ ملتا رہے گا۔ اختیارات اُس کے پاس پہلے ہی سے نہ تھے۔ اور روپیہ کے لیئے کئی حیلے بہانے کرنے پڑتے تھے۔ لہٰذا خلیفہ خوش تھا۔ کہ اب اُسے بلا تردّد حلوا مانڈہ ملتا رہے گا۔ اب رہا مذہب، ملّت یا ترک قوم وُہ جائے جہنّم میں۔ یہی طرزِ عمل میر عثمان علی خان نظام حیدرآباد دکن نے بھارت کے پولیس ایکشن (POLICE AETION) کے وقت ۱۹۴۸ء میں اختیار کیا۔ نظام کا خیال تھا کہ ایسا کرنے سے میری نوابی قائم رہے گی۔

عثمانی ترکی علاقے میں جہاں جہاں عربی زبان بولی جاتی تھی اور یہ علاقہ چونکہ معدنیاتی لحاظ سے نہایت ہی مالدار اور قیمتی تھا۔ لہٰذا برطانیہ نے اس علاقے کا اُنتداب قبول کر لیا۔ تاکہ اس قوم کو جو کہ آزادی کی لذّت بھول چکی ہے۔ اور آزاد ہونے کی خواہاں ہے۔ آزادی کے سبق دے کر پھر سے انسانیت کا جامہ پہنا دے۔ البتہ برطانیہ نے عربی زبان بولنے کا کچھ حصّہ فرانس کے اُنتداب میں دے دیا۔

عرب اب خوابِ غفلت سے جاگے۔ اور شریف حسین کی سرکردگی میں اتحادیوں کو مدد دینے کے لیئے پچھتائے۔ مگر وہ معذور تھے۔ اور معذوری انسان کو مجبور کر کے غلام بنا دیتی ہے۔ اُن کو کیا معلوم تھا۔ کہ فاتح کے حلیف کو آزادی کا سبق دیا جائے گا۔

مسٹر لائیڈ جارج نے ۱۹۱۸ء میں اعلان کیا تھا جس میں خلافت اور یہودی قوم کے وطن وغیرہ کا ذکر تھا۔ اُس نے (جیسا پہلے ذکر ہو چکا ہے) عربوں اور اُن مسلمانوں میں جو حکومت برطانیہ میں مقیم تھے ایک بے چینی سی پیدا کر دی تھی۔ لہٰذا ہر طرف سے اس کے متعلق لندن کو مراسلے بھیجے گئے۔ اس کے جواب میں مقامی حکام نے مختلف مگر مناسب و بامحل بیانات دے کر سب مسلمانوں کے شکوک رفع کر دیئے۔

جب سیورس کا معاہدہ شائع ہوا۔ تو سب کو اعلان بلفور یاد آ گیا اور ساتھ ہی لندن ٹائمز کا بیان بھی سمجھ میں آ گیا۔ ان ہندی مسلم اصحاب نے لندن ٹائمز کے انگریزی بیان کو کیوں غلط قرار دیا اور مقامی حکام کے زبانی بیانات کیوں تسلیم کر لیے یہ ایک زبردست معمہ ہے۔ جو ہمیں شکوک کی طرف زبردستی کھینچ کر لے جاتا ہے۔ خصوصاً جبکہ ہندوستان کی مسلم جماعت کے لیڈر مرحوم آغا خان تھے۔ جن کو انگریزی زبان پر بہت کمال حاصل تھا۔

چنانچہ جب ہندوستان کی خلافت کے زعما نے بہت شور مچایا۔ اور مسلم راہنماؤں کا ایک وفد سر آغا کی سرکردگی میں لندن پہنچا۔ تو لائیڈ جارج نے اس وفد سے ملاقات تو کی مگر ٹکا سا جواب دے دیا۔ یہی حشر ان وفدوں کا ہوا جو مصر و عربستان

سے گیئے۔ اب رہا ترکی احرار کا وفد اُس نے نفی میں جواب ملنے پر یہ کہہ دیا۔ کہ وہ اس معاہدے کو تسلیم نہیں کرتے۔

ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ برطانیہ فاتح تھا اور اس نے برطانیہ کے خلاف جنگ لڑی تھی۔ مگر کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ بقول مسٹر ہیرلڈ کاکس :۔

"کہ جب ترکی نے اتحادیوں سے ضمانت چاہی۔ تو روسی حکومت نے کسی ضمانت کے دینے سے انکار کر دیا اور یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ترکی حکومت کو روس کا بہت خوف تھا۔ لہٰذا یہ ضمانت کسی اتحادی نے نہ دی۔ " وغیرہ"

ترکی کے لیئے اب کوئی اور راستہ کھلا ہوا نہ تھا۔ خصوصاً جبکہ جرمنی کا سفیر ڈپلومیسی میں اتحادی سفیروں سے بازی لے گیا تھا۔ امریکی وزارت کے رکن مسٹر اے سپنسر براٹ نے ۱۹۱۷ء میں اپنی حکومت کو بتایا تھا کہ:۔

"جنگ میں ترکی کی جرمنوں کے ساتھ شرکت کی ذمہ واری ترکی سے زیادہ اتحادیوں پر عائد ہوتی ہے"

جب ترکی اتحادیوں کے خلاف جنگ میں کود پڑا۔ تو بحر وسط سے بحر اسود کا درّہ دانیال سے بحری راستہ جو اُس نے اپنے پرانے دوستوں پر بھی یکایک بند کر دیا کوئی جرم نہیں سمجھا جا سکتا اور نہ ہی اس وجہ سے ترکی کو مجرم قرار دے کر سزا کا حقدار مانا جا سکتا

ہے۔ ہاں اس امر کا افسوس ضرور ہے کہ اتحادیوں کا بحر اسود میں جانے کا راستہ بند کر دیا گیا۔

لیکن جب ہم ترکوں کو اس بات کی سزا دینا چاہتے ہیں کہ اُنہوں نے کیوں آزادانہ راستہ دینے سے انکار کیا۔ تو ہم کو یہ ثابت کرنا چاہیئے۔ کہ فلاں معاہدہ یا بین الاقوامی قانون کی رُو سے ترکی کو ایسا نہ کرنا چاہیئے تھا۔

جہاں تک ہم جانتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ کوئی ایسا معاہدہ نہ تھا جس کی رُو سے وہ ایسا کرنے کے لیئے پابند ہوں، - - - وغیرہ -

عہدنامہ ورسائی (VERSAILLES) ۲۸ جون ۱۹۱۹ء

کے دن فاتح اتحادیوں نے مفتوح جماعت کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ برطانوی پالیسی یعنی یورپ کے توازن کو برقرار رکھنے کی غرض سے فاتح یورپی حکومتوں کو اسی نظریہ کو مدِّ نظر رکھ کر تاوان دلانے کا فیصلہ کیا۔ یا دُوسرے لفظوں میں یُوں کہیئے۔ کہ جرمنی کو بالکل ختم کرنا مناسب نہ سمجھا گیا۔ البتہ ترکوں کے متعلق جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔ بالکل دُوسرا نظریہ تھا۔ لیکن یہاں پر سب سے زیادہ لُوٹ کا حصہ انگریزوں کو ملا تھا۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہے۔ کہ اس فیصلہ کو نہ تو بلجیئم نے پسند کیا اور نہ ہی فرانس نے، جب ہم

انصاف کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ تو یہ پتہ چلتا ہے کہ سب سے زیادہ جانی و مالی نقصان بلجیم کا ہوا اور نسبتاً اس سے کم فرانس کا۔

اٹلی جو کہ پرانی روما کی حکومت کے خواب دیکھ رہا تھا۔ وہ بہت ناراض ہو گیا۔ اب رہا روس تو اُسے اس وجہ سے کسی گنتی شماری میں نہ لیا گیا کہ وہ اشتراکی ہے اور وہ سامراجی حکومتوں کا بدترین دشمن ہے۔

اب رہا امریکہ اور اس کے یہودی وہ اس وجہ سے بالکل مطمئن تھے کہ ان کو نہایت سستے داموں روپیہ بھی مل گیا اور وطن بھی۔ بلکہ یوں کہیئے کہ سونے کی منڈی لندن سے اٹھ کر امریکہ کے دار الخلافہ میں چلی گئی۔ اور اس منڈی کے سرپرست یہودی تھے۔ علاوہ ازیں ان یہودیوں کو مشرق وسطیٰ میں اپنا قدیم وطن سود کے عشر عشیر حصے میں مل گیا۔ ادھر امریکی حکومت کو یہودی وطن کی وجہ سے پہلی بار دنیا کی سب سے قیمتی اور اہم معدنیاتی جزائر نے کی ڈپلومیسی اور سیاسی میدان میں پہلی بار مداخلت کرنے کا اختیار در اصل مفت میں مل گیا۔ لہذا جب بلجیکی، فرانسیسی، اطالوی حکومتوں نے غل غپاڑہ مچایا تو امریکہ نے صاف طور سے کہہ دیا کہ ابھی "ستاروں کے آگے جہاں اور بھی ہیں" بھیا تم جانو اور تمہارا کام۔ اب ہم ان جھگڑوں میں نہیں پڑتے اور امریکہ ایسا کرتا بھی کیوں جبکہ سب سے زیادہ منافع اور وہ بھی کوڑیوں کے مول اُسے مل چکا تھا۔ اس پس منظر میں اب ہم یہ دیکھیں گے کہ مصطفےٰ کمال کیا کر رہا تھا:

ان ایّام میں مصطفٰے کمال کیا کر رہا تھا؟

کمال اکیلا انگورہ میں

سیورس سے جب زیادہ تر مومتمر میں خلیفہ کی سازش کی بنا پر ترکی کی قسمت کا فیصلہ کرنے کیلئے استنبول کی پارلیمنٹ کی طرف چل پڑے تو انھوں نے کمال کی ایک نہ مانی۔ مصطفٰے کمال باقی ساتھیوں کے ساتھ عزم و استقلال کے ساتھ اپنے منصوبہ کو کامیاب بنانے کی غرض سے مصروف ہوگیا۔

کمال کو خوب معلوم تھا کہ ان سب کا حشر کیا ہوگا۔ اور وُہ اپنے مومتمروں کی کوتاہ اندیشی پر رنجیدہ ضرور تھا۔ مگر ایک وجہ سے اسے تسلّی یہ تھی کہ اس بار جو لوگ بچ نکلے۔ پھر لازوال عزم کے ساتھ اس کے معاون و مددگار بنیں گے۔

ملاطیہ کی طرف

کمال نے ایک نہایت ہی قابل مسلم جرنل کی طرح سے عمل کیا۔ اور حدیث دفاع کی روایات پر عمل کر کے قریب ترین دشمن پر اچانک حملہ کرنے کا دفاعی منصوبہ بنالیا۔ کمال پاشا چند رضا کاروں کے ساتھ آگے بڑھا اور رات کے وقت میجر نوبل اور اس کے ساتھ غداروں کو گھیر لیا۔ یہ لوگ چونکہ رسالے کے تھے۔ اس لئے بچ کر نکل گئے۔ البتہ کئی ہزار اشرفیاں اور بہت سا سامان حرب و رسد گھبراہٹ میں چھوڑ گئے۔

یہ کامیابی درحقیقت غیبی مدد تھی۔ لہٰذا ان روپیوں کی مدد سے وہ کردوں کے علاقے میں رضا کاروں کو لے کر گھس گیا اور ان کا دماغ درست کر دیا۔

سیاسی چال

یہاں فتحیابی کے بعد مصطفےٰ کمال رشید پاشا والی سیورس سے اس طرح سے ملا۔ جیسے وہ ان کا معاون و مددگار ہے اور رشید پاشا سے عثمانی وزیر داخلہ کو ایک تار بھجوایا۔ جس میں برطانوی ایجنٹوں کی ریشہ دوانیوں کی شکایت درج تھی۔

وزیر داخلہ نے اس مراسلے کے جواب میں رشید پاشا کو یہ تار بھیجا کہ وہ اس منصوبے کا ذمہ دار نہیں ہے۔ بلکہ اس کا ذمہ دار خلیفہ بہ نفس نفیس خود ہے۔ جس نے ترکی وطن کی سلامتی

اور بہتری کے لئے برطانوی مشیروں کو اس منصوبے کی اجازت دی تھی۔ یہ مراسلے مصطفےٰ کمال نے اپنے قبضے میں لے لئے۔

مصطفےٰ کمال نے خلیفہ کے وہ اعلانات و اشتہارات بھی جمع کر لیئے تھے۔ جس میں مصطفےٰ کمال اور احرار ترکیہ کو مشرک، غدار وطن کے دشمن اور باغی وغیرہ جیسے القاب سے یاد کیا تھا۔

کئی زبانوں میں ایک رسالہ

مصطفےٰ کمال نے ان تمام اعتراضات اور الزامات کا جواب دیتے وقت عہد نامہ سیوارس اور عہد نامہ ورسائی اور برطانوی، فرانسیسی، امریکی رسالوں کے تبصروں کو عام فہم ترکی زبان میں اپنے عوام کے لیئے شائع کیا۔ اور اس کا ترجمہ یورپ اور ایشیا کی کئی زبانوں میں کر کے تمام ممالک میں بھیجدیا۔ اور اس پر اپنے آپ صدر موتمر احرار ترکیہ کا لقب دیکر دستخط کئے۔

اس رسالے برطانوی اور خلیفہ کی ریشہ دوانیوں، ان کے کے مظالم اور خصوصاً یونانیوں کے مظالم کو طشت از بام کر دیا۔ یورپ اور امریکہ کے عوام میں زبردست ہیجان پیدا ہو گیا۔ عوام نے اپنی حکومتوں سے سوالات پوچھنے شروع کر دیئے۔

۲۴ اگست ۱۹۱۹ء میں روس کے ساتھ معاہدہ "قرص"

اشتراکی روس نے برطانیہ سے ۱۹۱۵ء کے خفیہ عہد نامے کی خلاف ورزی کی

پھر لندن پیکٹ اور اب سامراجی روسی گروہ کی امداد کی وجہ سے انتظام کے لئے موقع تلاش کر رہا تھا۔ اس انتظامی آگ میں جلنے کی وجہ سے اشتراکی روس نے کمال کے ساتھ بلا شرط یہ پیش کش کی کہ:۔

(۱) روس موتمر سیواس کی حکومت کو بلا کسی شرط ترکی حکومت تسلیم کرتا ہے۔

(۲) ہر طرح سے سامان حرب و رسد اور اگر ضرورت ہو تو روسی فوج کے ذریعہ بھی کمال کی حکومت کی مدد کرے گا۔

مصطفٰی کمال نے روسی فوج کی مدد لینے سے تو انکار کر دیا۔ البتہ سامان حرب و رسد کی پیش کش منظور کر لی۔ کمال نے روسی حکام سے کہدیا کہ میرے پاس رضار بے شمار ہیں۔ مجھے صرف ہتھیاروں کی ضرورت ہے اور ان کے کھانے کے لئے رسد اور پہننے کے لئے وردی کی۔

میثاق انگورہ

فرانس بھی سیورس اور ورسائی کے معاہدے سے ناخوش تھا۔ لہٰذا فرانس نے ایک عہد نامے کی پیشکش کی۔ مصطفٰی کمال نے یہاں پر بے نظیر ڈپلومیسی کا اظہار کیا۔ اور فرانسیسی سفیر کے نمائندے سے کہدیا کہ پہلے آپ ہمارے ترکی قیدیوں کو رہا کر دیجئے۔ اور اس کے بعد گفت و شنید کیجئے۔

چنانچہ فرانس نے تقریباً ایک لاکھ ترکی قیدی جوان کے پاس تھے۔ مع اسلحہ و دیگر سامان مصطفےٰ کمال کو بھیجنے کا وعدہ کرلیا۔ اب کمال نے دوستی کا خفیہ عہدنامہ فرانس کو لکھ دیا۔ یہ ترک سپاہی انقرہ سے بہت دور مقامات پر تھے۔ مگر وہ جس طرح سے ہوسکا مصطفےٰ کمال کے پاس آنا شروع ہوگئے۔ جن کو کمال نے دوبارہ دستوں میں منظم کرنا شروع کیا۔

عوام اور مصطفےٰ کمال

شوکت پاشا کے لشکر ہیٹلیم رولر کی طرح سے چل رہے تھے۔ گو ان کی پیشقدمی بہت آہستہ تھی، مگر وہ جہاں جہاں سے گذر رہے تھے۔ تباہی و بربادی کر رہے تھے۔ عوام مصطفےٰ کمال کے پاس جانے سے ڈرنے لگے۔ ان کو شوکت پاشا کے مخبروں کا بے حد خدشہ تھا۔ لیکن اس کے باوجود یہ لوگ مصطفےٰ کمال کے پاس رات کے وقت خفیہ طور سے آتے اور ان میں زیادہ تر عوام نے پہاڑوں کے غاروں میں اپنے بیوی بچوں اور مال و دولت کو چھپا دیا تھا۔

دوست پھر سے مل گئے

ایک دن جبکہ کمال اپنے کمرے میں شوکت پاشا کی پیشقدمی کے مقامات کی جگہ اپنے نقشہ پر (دیوار پر

آویزاں) جھنڈیاں لگانے میں مصروف تھا۔ کمال کی والدہ محترمہ کے ساتھ عصمت پاشا اور فیضوی پاشا داخل ہوئے۔

یہ دونوں کئی اور احراروں کی طرح سے تھے جن کو خلیفہ نے اتحادی جہازوں پر قیدی کے طور پر سوار کر کے مالٹا جزیرے کی جانب روانہ کیا تھا۔ مگر فرانسیسی اور اطالوی بحری افسروں کی مدد سے نہ صرف ان کو رہائی ملی تھی۔ بلکہ انہوں نے ان احراروں کو انا طولیا میں بخریت پہنچا دیا تھا۔ مگر اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ فیضوی کو خلیفہ نے کیوں قید کر دیا تھا؟ اس سلسلے میں یہ یاد رہے کہ برطانوی افسروں کے ایما پر اس لئے خلیفہ نے کمال کو شکست خوردہ فوج کا کمانڈر انچیف مقرر کیا تھا۔ تاکہ وہ اپنے مخالف انور پاشا اور اس کی پارٹی سے بدلہ لے۔ مگر جب کمال پاشا نے اس عہدے سے استعفیٰ دے دیا تو وہ جگہ خالی رہی۔ مگر فیضوی کو چیف آف اسٹاف مقرر کیا۔ جاوید پاشا خلیفہ کے وزیر جنگ کی حیثیت رکھتا تھا لیکن فیضوی کے اثرات کو برطانوی حکام نے جب پسند نہ کیا تو خلیفہ نے جاوید کو چیف آف اسٹاف مقرر کیا اور فیضوی کو فسٹ آرمی (استنبول) کا انسپکٹر جنرل مقرر کر دیا۔ اس عہدے میں فیضوی کا نہ تو کچھ اختیار اور نہ ہی رسوخ تھا۔

جب مصطفٰے کمال نے بھی علم بغاوت بلند کر دیا۔ تو برطانوی حکام نے فیضوی پاشا پر یہ الزام لگائے۔

(۱) فیضوی پاشا کے حکم کے بموجب سمرنا کی ترکی فوج کے کمانڈر نے اپریل ۱۹۱۹ء میں برطانوی اور یونانی حکام کی حکم عدولی ہی نہیں کی۔ بلکہ اس فوج سے جو کہ برطانوی جہاز ایورف سے سمرنا اتری۔ اس سے لڑائی شروع کر دی۔

(۲) جب فیلڈ مارشل ایلنبی اتحادی بڑی فوجوں کا کمانڈر انچیف استنبول میں سرکاری طور پر بطور فاتح داخل ہوا۔ تو فیضوی پاشا نہ صرف یہ کہ ایلنبی کے استقبال کے لئے نہیں آیا۔ بلکہ جب اس نے بطور مروّت اس کو ملنے کی دعوت دی۔ تو فیضوی نے ملنے سے بھی انکار کر دیا۔

(۳) انور، جمال اور دیگر ترکی افسران فیضوی کی مدد اور ایما سے استنبول سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

(۴) فیضوی کا سب سے بڑا جرم یہ تھا کہ اس نے خلیفہ کو دھوکہ دیکر کمال پاشا کو پھر سے بھاگنے اور بغاوت کا علم بلند کرنے میں مدد دی۔

اب رہا جاوید پاشا اس نے بہت عرصہ تک برطانوی حکام اور خلیفہ کے بہی خواہوں کی آنکھوں میں دھول ڈالی۔ مگر آخر کار وہ بھی گرفتار کر لیا گیا۔

انقرہ کو واپس شدہ اراکین

وہ اراکین جو انقرہ واپس آ چکے تھے۔ سب کے سب اب مصطفےٰ کمال کی دُور بینی اور روشن ضمیری کے قائل ہو چکے تھے۔ لہٰذا وہ پہلے سے کہیں زیادہ مستعدی سے کام کرنے لگے اُن کو خطرات کا اب صحیح اندازہ ہو گیا تھا۔

محمدؐ اور فاطمہ

کمال نے اپنے رسالے میں جہاد کا اعلان کر دیا تھا۔ اور ان ایّام میں اُس نے فلسفہ جہاد پر اپنے معاونوں کے سامنے تقریریں کیں۔ پمفلٹ چھپوا کر عوام میں تقسیم کئے۔ اُس نے ترکوں کو اسلامی خدمت کے گذشتہ کارناموں کا واسطہ دیا۔ اور آخر کار اُن کو متنبّہ کیا۔ کہ اب نہ صرف گھر بار، ماں بہنوں اور بیوی بچّوں کا سوال ہے۔ بلکہ دشمن اب ہمارے گھر اور وطن کے ساتھ ہمارا دین بھی ختم کرنا چاہتے ہیں۔

مصطفےٰ کمال نے خلافت کی تاریخ کو نہایت قابلیت سے رسالے میں قلمبند کیا اور عوام کو بتایا۔ کہ حضرت محمدؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد جب خلافت کا سوال پیدا ہوا تو قرابت داروں کو چھوڑ کر قابل ترین صحابہ کو خلیفہ چُنا گیا۔ اس کے ساتھ ہی کمال نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے خطبات خلافت کو اس رسالے میں دوہرا کر عوام کے سامنے یہ پیش کیا۔ کہ صرف

قابل، مخلص اور صحیح مجاہد ہی کو خلیفہ بننے کا حق ہے۔ جو خلیفہ یا حاکم نااہل ہو۔ اُسے برطرف کر دینا سُنّتِ نبوی ہے۔ اس کے ساتھ اُس نے خلیفہ کا کچّا چٹھا بھی چھاپ دیا۔ کمال نے اسی پر اکتفا نہ کیا۔ بلکہ اُس نے اپنے رضا کاروں کو دو فوجوں میں بھرتی کرنے کا اعلان کیا۔

۱۔ اوّل تمام ترک مرد جو کہ بطور مجاہد پیش ہوئے۔ اُن دستوں کا نام "محمدؐ" رکھا۔ یہی وہ نام تھا۔ جس نام سے عثمانی ترکی سپاہی پوری تنظیم سے قبل پکارے جاتے تھے۔ مجاہدوں کو ان کی قابلیت، عمر اور اور قوم کی ضرورت کے لحاظ سے مختلف دستوں میں منظم کیا۔ اُن کو تربیت اور دفاعی تعلیم دی۔ جفاکشی اور نفس کشی اُن کا اب شیوہ تھا۔ اب وہ جہاد کرنے والے مجاہد تھے۔

۲۔ اسی طرح سے مصطفےٰ کمال نے تمام مجاہدہ مستورات کو "فاطمہ" کے لقب سے پکارا اُن کے ذمّے بہت ہی دشوار کام تھے۔ مثلاً سمندر سے رُوسی اور دیگر جہازوں سے حرب و رسد کے سامان کا اُتارنا، کشتیوں پر لادنا اور پھر ساحل سے اس کو اپنی پیٹھ پر، گدھوں، اُونٹوں یعنی ہر قسم کی باربرداری پر لاد کر پہاڑی غاروں میں جمع کرنا بوقت جنگ مرہم پٹی، کھانا پکانا اور بعد ازاں گاڑیاں اور

موٹر لاریاں چلانا بھی ان کا کام تھا۔

ان ترکی عورتوں نے واقعی حضرت فاطمہؓ کی حدیثی روایات کو پھر سے بیسویں صدی میں زندہ کر دیا۔ اس نظریہ پر ہم دو برطانوی جرنیلوں کی رائیں پیش کرتے ہیں۔

جرنل ماڈ

جرنل ماڈ فاتح عراق تھا۔ اگر اُسے موت دُنیا سے نہ لے جاتی تو دفاعی ماہرین کا قیاص تھا کہ وہ اپنے زمانے کا بہترین برطانوی جرنل ہوتا۔

ماڈ کو عراق اس وقت بھیجا گیا تھا۔ جبکہ برطانوی فوج کو کئی سال سے ناکامی کا مُنہ دیکھنا پڑ رہا تھا۔ مصنف عراق میں تھا۔ جب ماڈ پہنچا۔ اُس نے چند ماہ میں وہ کام کئے۔ جو اس سے پہلے کے جرنل کئی برسوں میں نہ کر سکے تھے۔ اِس دفاعی ماہر نے جنگ کو انتظامی اور سٹرٹیجی کے اصولوں اور ضروریات کو یکسوئی سے دیکھا اور اپنا دفاعی منصوبہ تیار کیا۔ ترکوں کے متعلق اِس برطانوی جرنل کا یہ نظریہ تھا۔

"ینگ ترکی پارٹی نے احمقانہ طور سے یہ تصوّر کر لیا تھا کہ ترکی سپاہی کو نہ تو مذہبی جذبے کا احساس ہے اور نہ ہی مذہب کی پروا ہے۔ لہٰذا ترکی سپاہی بلغاریہ میں مجاہدانہ انداز سے نہ لڑا... ... اناطولیہ کا ترک سپاہی مذہبی جذبے کے بغیر نہیں لڑ سکتا....."

(جرنل ماڈ)

جرنل ٹاؤنشنڈ

کے یہ الفاظ انہوں نے اپنی آپ بیتی میں لکھے ہیں :-

"مجھے اس بات کا یقین ہے۔ اگر ترکی قبیلہ یا ملک کا حاکم ترکوں سے اسلام کے نام کی دہائی دے تو ترکی سپاہی بڑے سے بڑے ایثار کے لیئے خوشی خوشی آمادہ ہوجاتا ہے۔ کیونکہ مذہب اُس کی جان ہے اور مذہب اس کی زندگی ہے۔ اسلامی جذبہ اُس کی خوشنما دنیا ہے۔ شہادت کے بعد بہشت بریں میں بطور شہید داخل ہونا اُس کی زندگی کی تمام تمناؤں کی معراج ہے۔ جب تُرکی سپاہی اسلامی جذبے کے ساتھ لڑتا ہے۔ تو میری رائے میں اُس سے زیادہ جانباز، بہادر، لڑاکا سپاہی دنیا بھر میں اور کوئی نہیں ہے ....."

(جرنل ٹاؤنشنڈ)

قریب تر خطرہ

مصطفےٰ کمال کے لئے سب سے اہم خطرہ شوکت پاشا کی افواج تھیں۔ یہاں پر چونکہ ظلم و تشدد کا چرچا عام تھا۔ لہٰذا کمال کے مجاہد شوکت کے فوجیوں کو صحیح راستے پر لانے میں کامیاب ہوگئے۔ یہ لوگ پہلے بڑے شہروں میں تھے۔ جہاں کے لوگوں سے اُن کو نفرت تھی۔ مگر اب یہ لوگ اپنے وطن یعنی دیہاتوں میں جب آگئے تو نفس پرستی کی ہوس کے نقائص ان پر روشن ہونے لگے۔ جب انہوں نے اپنی بہنوں، بیٹیوں کی بے حرمتی شروع کی تو انکی آنکھیں

کھلیں۔ لہٰذا تھوڑے عرصے میں دونوں لشکر بہت تھوڑی تعداد میں رہ گئے۔ حتیٰ کہ اُن کی پیش قدمی اب رُک گئی۔

اقانیم ثلاثہ:۔ مصطفےٰ کمال۔ فیضوی پاشا اور عصمت پاشا نے تحریک وطنیت کو بہت مؤثر بنا دیا۔ اب ان کے ساتھ اوہم چرکس، جعفر طیار، کاظم قرہ بکیر جیسے قابل سالار مل جاتے ہیں۔

آرمینیا میں بغاوت:۔ اب برطانوی ایجنٹوں نے آرمینیا میں بغاوت پھیلا دی۔ آرمینیا والوں نے آزادی کا علم جب بلند کیا۔ تو عیسائی دُنیا نے ان کی تائید کی۔ مصطفےٰ کمال نے کاظم قرہ بکیر کو مجاہدین کے ساتھ وہاں بھیجا جس نے نہایت ہی مکمل طور پر اُس بغاوت کو دبا دیا۔

یونانیوں سے جھڑپ کمال نے ادھم چرکسی اور علی فواد بے کو یونانیوں کے خلاف سمرنا کی طرف روانہ کیا۔ تاکہ اُس نواحی علاقے کے عوام کے حوصلے بلند ہو جائیں۔ علی فواد نے وہاں پر گوریلا لڑائی شروع کر دی اور یونانیوں کو بے حد پریشان کر دیا۔ اب وہ سمرنا کے شہر سے باہر نکلنے سے رُک گئے۔

قدرتی امر ہے کہ شوکت پاشا کی فوج میں سے بے شمار سپاہیوں کے فرار ہونے سے ترکی عوام کے حوصلے بلند ہو گئے۔ اب ادھم چرکسی کی کامیابی نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔

پراپیگنڈا

شاعر اور ادیب:- اس جگہ یہ لکھنا مناسب ہے کہ مصطفٰے کمال نے شعرا اور ادیبوں سے کیا کام لیا۔

سب سے پہلے ترکی زبان کا مشہور شاعر استاذی العزیز محمد عاکف مصطفٰے کمال کے پاس آیا۔ اپنے کئے پر افسوس کا اظہار کیا۔ اب وہ اور اُس کے شاگرد بہت جذباتی اشعار لکھنے میں مصروف ہو گئے۔ ترکوں کو شعر و شاعری سے خاص اُنس ہے اس لئے یہ اشعار ہر گاؤں اور ہر شہری کے نوکِ زبان ہو گئے رضا کار مل کر انہیں گاتے اور عوام کو اپنے ساتھ رضا کار بننے کی دعوت دیتے۔

ادیبوں میں خالدہ اور اُس کا خاوند ڈاکٹر عدنان قابل ذکر ہیں۔ ان کے ساتھ اور کئی ادیب آئے اور سب مل کر مُردہ ترکی قوم میں نئی روح ڈالنے میں مصروف ہو گئے۔

جان بُل

تقدیر:- تقدیر کے پجاری خلیفہ نے معاہدہ سیورس اور ورسائے پر دستخط کر کے خود کو برطانیہ کا قیدی اور غلام تسلیم کر لیا تھا۔ لہٰذا جب تُرک احرار کی کامیابیاں ہونے لگیں تو خلیفہ نے مصطفےٰ کے سر کاٹ کر لانے پر خواہ وہ زندہ ہو یا مُردہ بیش بہا انعام مقرر کر دیا۔

برطانوی پولیٹیکل ایجنٹوں نے خلافت کی اہمیت کو ایک طرف سراہا، تو دوسری جانب مصطفےٰ کمال کے خلاف زبردست پراپیگنڈہ شروع کر دیا۔ مذہبی راہنما اس میں پیش پیش تھے وہ اپنے ضمیر زر کے بدلے فروخت کر چکے تھے۔

جب برطانیہ نے دیکھا کہ:-

۱۔ مصطفےٰ کمال کا زور بڑھتا جا رہا ہے۔
۲۔ خلیفہ کی فوجوں میں فرار ہونا عام ہو گیا ہے
۳۔ رُوس، فرانس، اٹلی نے مصطفےٰ کمال کی جماعت سے ہمدردی شروع کر دی ہے اور ان کو ہر قسم کی امداد دے رہے ہیں۔
۴۔ برطانوی ایجنٹوں کی شروع کردہ بغاوتیں فوراً ہی دبا دی گئی ہیں اور ماضی کے اتحادیوں کے مظلوم عیسائی، ارمنی اور کردوں کے خلاف جنگی کارروائی کو دلچسپی سے نہیں دیکھ رہے ہیں تو انہوں نے تقدیر کو چھوڑ کر تدبیر کا ساتھ دیا۔

برطانوی تدبیر برطانیہ کو خوب معلوم تھا۔ کہ اٹلی کی طرح سے اہل یونان بھی دوبارہ استنبول کو قسطنطنیہ بنانے کے خواب دیکھتے رہتے ہیں۔

'جان بُل' اس بات کو سمجھ چکا تھا کہ اُس کے معاون اور دوست جنہوں نے عالمگیر جنگ میں اُس کا ساتھ دیا تھا۔ اب اُس سے ناراض ہیں۔ ان میں بعض تو مصطفےٰ کمال کی حکومت کو ترکی حکومت تسلیم کر چکے ہیں اور بعض خفیہ طور سے تُرکی احرار کی ہر طرح سے مدد کر رہے ہیں۔ مشکلات کا خاتمہ یہاں بھی ہوتا دکھائی نہیں دیتا تھا۔ بلکہ برطانیہ کو خود بہت سی مشکلات تھیں۔ مشرق میں جاپان نے تجارت پر بہت کافی قابو

پالیا تھا۔ اُسے امریکہ کو بہت بڑی رقم دینی تھی۔ اُس کے مقبوضات اب برطانوی حکومت کو آزادی کے وعدے دلا رہے تھے۔ نئے مقبوضات کو آباد کرنے کے لیئے روپیہ کی ضرورت ہوگی۔ اور یہ روپیہ صرف امریکہ ہی سے مل سکتا تھا۔ مگر امریکی بینکوں پر یہودیوں کا قبضہ تھا۔ جو اب نہ صرف قومی گھر چاہتے تھے۔ بلکہ وہ یہودی سلطنت کی خواب کی تعبیر پوری کرنا چاہتے تھے۔ یہودیوں نے تو صاف طور سے برطانیہ کو کہہ دیا۔ کہ "پہلے ہمارے مطالبات پورے کرو۔ ہمیں قبضہ دے دو۔ پھر ہم تم کو روپیہ دیں گے"

اب رہی امریکی حکومت وہ مزید اُلجھنوں میں پڑنا نہیں چاہتی تھی۔ کیونکہ دُنیا کے سونے کی منڈی پر قبضہ قائم رکھنے کی خواہش مند تھی۔ اور وہ اُسے "وال اسٹریٹ" میں قائم کر چکی تھی۔ امریکی حکومت نے انیسویں صدی کے مشرق بعید کے واقعات ابھی تک نہیں بھولے۔ جبکہ چین میں لڑائی تو امریکی سپاہیوں نے لڑی۔ مگر تجارتی مفاد برطانیہ نے قبضہ جما لیا۔ اور لطف یہ کہ جس وقت اتحادی فوجیں یورپ میں زندگی اور موت کی لڑائی لڑ رہی تھیں۔ تو جان بل ایشیا اور مشرق وسطیٰ کے معدنیاتی علاقوں پر قابض ہوتا جا رہا تھا۔ یا یوں کہیئے۔ کہ بلّی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ لہٰذا امریکی

حکومت نے بھی ٹکا سا جواب دے دیا۔

مگر جان بل اپنے عزم کے لئے مشہور ہے اور یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ بدترین حالات میں بھی ہمت اور تدبیر سے کام لیتا ہے۔

برطانیہ حالات کو اس منزل پر چھوڑنے کو ہرگز تیار نہ تھا۔ وہ وقت چاہتا تھا۔ اور اس کو معلوم تھا کہ اس کے مطلب کی حکومت کون سی ہے۔ وہ اٹلی کو ۱۹۱۲ء میں طرابلس کے موقع پر آزما چکا تھا۔ لہٰذا اب اس میدان میں یونان کے چناؤ کے سوا اور کوئی نہ تھا۔

چنانچہ جان بل نے یونان سے کہا:۔

"تم ایشیائی روما حکومت کے جائز وارث ہو۔ اناطولیہ تمہارے آباؤ اجداد کے پاس صدیوں تک رہا۔ ترکی اب مردہ ہے، آگے بڑھو، اور اس پر قابض ہو جاؤ۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اور یہ بات تو ہم ڈنکے کی چوٹ کہے دیتے ہیں۔ کہ بحری راستہ تمہارے دشمنوں کے لیئے بند کر دیں گے اور اسلحہ، گولی بارود، باربرداری، رسد وغیرہ کے علاوہ ہم اپنے جرنل بطور مشیر تم کو دیں گے ... ... وغیرہ"

یونانی پیشقدمی

۲۳ جون ۱۹۲۰ء کو برطانوی بحری بیڑے نے یونانی فوج کا بہت بڑا لشکر

اناطولیہ میں اُتار دیا تھا۔ حالات سے پتہ چلتا ہے۔ کہ یونانیوں کا دفاعی منصوبہ یہ تھا۔ کہ وہ انقرہ پر ہر دو جانب سے بڑھیں۔ جسے پنسر موومنٹ (PINCER MOVEMENT) کہتے ہیں۔ تاکہ ترکی احرار کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اور یہ شوکت پاشا کے منصوبے سے مختلف نہ تھا۔ مگر چھوٹے راستے پر تھا۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے۔ یونانی فوج کے دو لشکر یعنی بایاں اور دایاں کالم بڑی شاہی سڑکوں پر آگے بڑھے۔ کیونکہ یونانیوں کی فوج بہت کثیر تھی۔ اور وہ صرف تعداد کے دباؤ سے ہی ترکی فوج کو مسل کر تباہ کرنا چاہتے تھے۔ ساحلی علاقے پر برطانوی بحری بیڑہ اُن کی مدد کر رہا تھا۔ اس سلسلے میں ہم آپ کی توجہ نقشہ (ب) کی طرف منعطف کرانا چاہتے ہیں۔ مہربانی فرما کر اسے دوبارہ ملاحظہ فرمائیے۔

اس منصوبہ کے بموجب یونانیوں کا ایک لشکر حیدر پاشا پر اُترا اور دوسرا لشکر سمرنا پر اُترا۔ دونوں بندرگاہوں پر برطانوی بحری بیڑے نے ان کی مدد کی۔ ایک اور لشکر یونان سے ایڈریانوپل چلا۔ جس کا مقصد اس ترکی فوج سے مقابلہ کرنا تھا جو کہ جعفر طیار کی سرکردگی میں روانہ ہوئی تھی۔

ترکی دفاعی منصوبہ مصطفےٰ کمال کو خوب علم تھا۔ کہ اُس کی فوج جو کہ وہ رضاکاروں سے منظم

کر رہا ہے۔ اب تک تیار نہ ہو پائی تھی۔ اور اس کے علاوہ تعداد میں بہت کثیر تھی۔ اور اس یونانی لشکر کے مشیر برطانوی جرنل تھے۔ اور اسی بل بوتے پر وہ اپنی کامیابی کو یقینی سمجھتے تھے۔

چنانچہ مصطفےٰ کمال نے تمام سالاروں کو حکم دیا۔ کہ وہ سب دوسرے حکم تک گوریلا قسم کی لڑائیاں لڑیں۔ یعنی صرف یقینی فتح کی اُمید کے وقت ہی وہ باقاعدہ حملہ کریں۔ مگر پھر بھی اس کامیابی کے بعد اپنے پرانے ہتھیاروں پر اُتر آئیں۔ تاکہ یونانیوں کی پیش قدمی رُک جانے سے ہمیں رضاکاروں کو مرتب، منظم کرنے اور تربیت دینے کا موقع مل جائے گا۔ اور اور اس طرح ترک تھوڑے سے مالی اور جانی نقصان سے اپنے دشمن پر فتح پالیں گے۔ دشمن کو فتحیابی کے حاصل کرنے میں جتنی دیر لگے گی۔ اُتنا ہی اُس کا حوصلہ پست ہو جائے گا۔ اور اس حالت میں اُسے ختم کرنا نہایت آسان ہوگا۔

یہ کہنا بجا ہوگا۔ کہ مصطفےٰ کمال ایک دفاعی منصوبے پر عمل کر رہا تھا۔ جو کہ حضرت ابوبکرؓ کے اُس منصوبے سے بالکل مشابہت رکھتا تھا۔ جبکہ آپ نے خلافت کی اہم ذمہ داری اپنے اُوپر لی۔ اور حالات بھی وہی تھے۔ ہر طرف وطن فروش اور غدّاروں کی کثرت تھی۔ اُن کی پُشت پر ایران اور رُوما کی بجائے اب برطانیہ اور یونان تھے۔ جو کہ مسلمانوں کے ساتھ

اسلام کو بھی ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے۔
مصطفےٰ کمال نے جعفر طیار پاشا کو حکم دیا۔ کہ وہ یورپی ترکی کے علاقے سے یونان کی طرف بڑھے۔ تاکہ یونانی فوج کی تیاریوں میں رخنہ پیدا ہو جائے۔ اس طرح سے اناطولیہ میں یونانی پیشقدمی رُک جائے گی۔ کیونکہ یونانیوں کو اپنے گھر کو بچانے کی فکر ہو جائے گی۔ پھر ادھم چرکسی پاشا اور علی فواد کو پہلے سے ہی احکام مل چکے تھے۔ ان کو کمک بھیجی گئی اور ان سے بھی یہی کہا گیا۔ کہ پیشقدمی کو روکو۔ تاکہ ہمیں تیاری کرنے کے لیئے وقت مل جائے اور ساتھ ہی یہ بھی پتہ چل جائے۔ کہ یونانی کون سے سمت (فلینک) سے کاری وار کرنا چاہتے ہیں۔ یہ دونوں سمرنا کے یونانی لشکر کے مقابل تھے۔ علاوہ ازیں تیسرا لشکر عصمت پاشا کے پاس تھا جسے حیدر پاشا سے بڑھنے والی فوج کو روکنے اور حالات معلوم کرنے کا حکم تھا۔

پہلی جھڑپ جعفر طیار پاشا جو رومیوں کے خلاف کمال کے تحت بہادری سے لڑا تھا۔ عرصہ سے ایڈرین (ایڈریانوپل) میں متعین تھا۔ وہ بھول گیا۔ کہ اُس یونانی فوج کا جس کا وہ مقابلہ کرنے جا رہا ہے۔ برطانوی افسروں کے تحت لڑ رہی ہے۔ وہ بے پروائی سے آگے بڑھا۔ اور کمال کے احکام کا خیال نہ رکھتے ہوئے اُس نے یونانی فوج پر

حملہ کر دیا۔ اس جنگ میں اُسے شکست ہوئی۔ اور وہ خود مع بہت سی فوج کے یونانیوں کے ہاتھ گرفتار ہو گیا۔

اس طرح سے یونانیوں کا عقب کا علاقہ یعنی تمام یورپی ترکی علاقہ اُن کے دشمنوں سے صاف ہو گیا۔ یہ فتح یونانیوں کے گھر کے قریب اُن کو نصیب ہوئی۔ اور کئی صدیوں کے بعد یونانیوں کے لیے ترکی فوج کے خلاف یہ پہلی فیصلہ کن فتح تھی۔ اس لیئے اس کو اخباروں اور ریڈیو کے ذریعے دُنیا میں مشتہر کیا گیا۔

ادھم چرکسی اور علی فواد کو عرصہ سے شاندار کامیابیاں ہو رہی تھیں۔ ادھم چرکسی نے مصطفےٰ کمال سے درخواست کی۔ کہ اُسے یونانیوں کے خلاف باقاعدہ لڑائی کی اجازت دی جائے۔ مگر مصطفےٰ کمال نے انکار کر دیا۔ اس پر بھی ادھم چرکسی نے یونانیوں پر حملہ کیا اور شکست کھائی۔ البتہ علی فواد پہلو بچا کر نکل گیا۔ اور اپنے سپہ سالار کے احکام کی تعمیل کرتا رہا۔

اپنی دفاعی غلطیوں کو چھپانے کی غرض سے ادہم پاشا بہت ناراضگی کے عالم میں انقرہ آیا۔ اور اراکین مجلس کے کان بھرے۔ اور اُن کو بہکایا۔ کہ کمال فیضوی اور عصمت ڈرپوک ہیں۔ اور علی فواد کی وجہ سے اُسے شکست ہوئی۔۔۔۔۔ وغیرہ

اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اراکین مجلس نے کمال پر نکتہ چینی کی۔ مگر مصطفےٰ کمال کی دلیل کے سامنے وہ مات کھا گئے۔

کمال نے اب ادھم چر کسی کو عصمت کے ماتحت مقرر کر دیا۔ اس پر وہ ناراض ہو کر چلا گیا۔ اور ایک نیا گروہ قائم کر لیا۔ جس کا نام اس نے سبز پوش رکھا۔ اور ولایت غربیہ میں یونانیوں کے خلاف خود مختار حیثیت سے لڑنے کا اعلان کیا۔ مگر جلد ہی وہ خلیفہ سے ساز باز کر کے یونانیوں کے ساتھ مل گیا۔ یونانی جہاں بھی گئے۔ انہوں نے غارت گری اور لوٹ کی نئی مثال قائم کی۔

حیدر پاشا فرنٹ

یونانی لشکر بڑی تعداد میں آگے بڑھا۔ عصمت نے شہر ازمیٹ کے قریب کئی لڑائیاں لڑیں۔ اور پھر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتا گیا اور برد صہ پہنچا۔ یونانی عسکی شہر پہنچ گئے۔ اور ریلوے جنکشن پر قبضہ کرنا ہی چاہتے تھے۔ کہ عصمت پاشا نے اینونو کے مقام سے نکل کر ان کے عقب پر حملہ کیا۔

یونانی اس حملے سے بے خبر تھے۔ اس لیئے نہایت ہی گھبراہٹ سے ریلوے جنکشن کو چھوڑ کر بھاگے۔ ترکی فوج اس لیتے دوبارہ عسکی شہر کوتا بیہ اور افیوں قرہ حصار پر قابض ہو گئی اور یونانیوں نے ان مقامات سے پیچھے ہٹ کر مورچہ بندی کر لی اور چھ ماہ تک اسی طرح سے پڑے رہے۔ تاکہ ان کی کمکیں

پہنچ جائیں۔

یونانیوں کا اب محاذ عکی سر (AKHISAR) سے ترسانلی (TARSANLI) اُسک (USAK) تک تھا۔

انقرہ کی حالت گو عصمت نے اینونو میں سٹریٹیجک فتح حاصل کرلی تھی۔ مگر اس کی اہمیت عوام کو نہ تو بتائی جاسکتی تھی اور نہ ہی اُن کی سمجھ میں آسکتا تھا۔ لہٰذا انقرہ میں یونانیوں کی مزید کمکوں کی خبروں کا مسلسل آنا اور یونانی ہوا باز جو برطانوی ہوائی جہاز اُڑا رہے تھے۔ مسلسل شہروں اور گاؤں پر بم باری کرتے تھے۔ وہ پراپیگنڈہ کے اشتہارات پھینکتے تھے اس ہوائی طاقت کی وجہ سے کمال کی فوج کی نقل وحرکت میں بہت دشواریاں پیدا ہوگئیں۔ اور اب وہ صرف رات کے وقت ہی امن کے ساتھ جنگی نقل وحرکت کر سکتے تھے۔

اراکین نے اپنی بیوی بچوں کو محفوظ مقامات پر بھیج دیا اور اُن کے سامنے دو سوال تھے:۔

۱۔ کیا مصطفےٰ کمال یونانیوں کا مقابلہ کر سکے گا؟

۲۔ کیا یہ بہتر نہیں ہے۔ کہ اینونو کی فتح اور اس وقفہ سے فائدہ اُٹھا کر باعزت صلح کرلی جائے؟

مصطفےٰ کمال نے ان سب کے شکوک رفع کر دیے۔ اور آخری دم تک لڑنے کا اعلان کر دیا۔ اور عوام کو قرآنی آیات کی

مدد سے بتایا۔ کہ اسلام ختم نہیں ہو سکتا۔ اور قلیل تعداد کو جو کہ خدا پر بھروسہ رکھتی ہے۔ اور تدبیر سے کام کرتی ہے۔ کثیر تعداد پر کئی بار فاتح ہو چکی ہے۔ اس دفعہ بھی فتح ترکی احرار کی ہوگی۔

عصمت کا مراسلہ

عصمت نے کمال کو انیونو آنے کی دعوت دی۔ کیونکہ اُس کے قیاس میں وہاں پر اور زیادہ دیر ٹھہرے رہنا ناممکن ہوگا۔ اور جان و مال کا بے کار نقصان ہوگا۔ اور ساتھ ہی یہ استدعا کی۔ کہ افواج کی کمانڈ اب وہ میدانِ جنگ میں آکر خود لے لے۔ کیونکہ حالات بہت نازک ہو گئے ہیں۔ اور سپہ سالار کا محاذ پر مقیم رہنا ضروری ہے۔

مصطفےٰ کمال بحیثیت سپہ سالار میدان جنگ میں

میدانِ جنگ میں کمال نے فیضوی، عصمت اور عارف سے مشورہ کیا اور محاذ کو اچھی طرح سے دیکھا۔ اس معائنے کے بعد کمال نے ان تینوں کے مشورے سے نیا منصوبہ تیار کیا۔ کمال نے اپنا مستقر ایک چھوٹے سے قصبے "قریہ آلاکوز" میں قائم کیا۔ اور عصمت اور عارف کو دریائے سقاریہ پر مورچہ بندی کا حکم دیا۔ فیضوی قریہ آلاکوز میں اُس کا چیف آف سٹاف کا کام کرتا تھا۔

دریائے سقاریہ پہاڑی علاقے میں نہایت گہرائی میں سے گزرتا تھا۔ اس کے کنارے قدرتی طور سے حفاظت کے لیئے نہایت موزوں ہیں۔ جہاں توپوں، مشین گنوں وغیرہ کو آسانی کے ساتھ نہایت اعلیٰ مورچوں میں لگایا جا سکتا ہے۔ کمال نے اس قدرتی مورچے پر آخری دم تک لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

ترکی سپاہی مورچہ میں لڑائی لڑتے وقت دنیا کے تمام سپاہیوں سے افضل ہے۔ یہ محض شہرت ہی نہیں بلکہ ہزارہا بار ترکوں نے اس مثال کو برقرار رکھا۔ مصنف نے ترکوں کو مورچوں میں لڑتے دیکھا ہے۔ اور اُن پر حملہ کرنے کا مزا بھی چکھا ہے۔ مصطفےٰ کمال اب اپنے بہترین ہتھیار کو اپنے دشمنوں کے خلاف نہایت مہلک طریقے سے استعمال کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

ترکوں کے پاس اسلحہ اور گولی بارود کی اب کمی نہ تھی۔ اُن کے پاس باربرداری کافی نہ تھی۔ مگر اب اس لڑائی کے لیئے اُس کو موٹر گاڑیوں کی ضرورت نہ تھی۔ "فاطمہ" ہر جگہ پر سامان رسد و حرب اپنے کندھوں پر لاد کر پہنچتی تھی۔ اُن کی لیڈر مصطفےٰ کمال کی والدہ بایان زبیدہ تھی۔ جو اُس شیرنی کی مانند تھی۔ جس کے بچوں کو شکاری زخمی کر چکا تھا۔ اب زبیدہ آلاکوز کے ایک نہایت چھوٹے سے مکان میں ہے۔

مگر اُس کا شاذ و نادر ہی اپنے ہیڈ کوارٹر میں واپس لوٹنا ہوتا ہے
اس مکان میں کوئی آرائشی سامان نہیں ہے۔ بلکہ کمرے کے
ایک کونے میں پتھر کے ایک چبوترے پر چٹائی پر کچھ موٹے کمبل
بچھے ہوئے ہیں۔ اور فوجی بوٹ ہیں۔ کچھ سادہ سے برتن ہیں۔
ہاں شفقت مادری موجود ہے۔ جو کمال کو اب تک نٹ کٹ
بچہ ہی تصوّر کرتی ہے۔ جسے کھیل کود میں نہ تو صحت کا خیال ہے
نہ آرام کا۔ ہاں ہر وقت اُس کی دُعائیں اُس کے لیئے برابر نکلتی
ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ اپنی رحمت سے اُس کے بچے کو اپنے وطن
کو بچانے کی توفیق دے ۔

محاذ سقاریہ (SAKARYA)

یونانی پیشقدمی کا آغاز۔ جولائی ۱۹۲۱ء

یونانیوں کی کمک پہنچ گئی، برطانوی اصرار پر کہ جنگ کو جلد از جلد ختم کیا جائے۔ یونانیوں نے جب سارے محاذ پر بڑھنا شروع کیا، تو ترک آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ یونانیوں کو جب موقع ملتا۔ تو سخت نقصان پہنچاتے مگر اُن کے حملے کا انتظار نہ کرتے۔ اور بسا اوقات ایسا ہوا کہ جب یونانی مورچہ پر پہنچے۔ تو وہ ترکوں سے خالی تھا۔ یونانی افسر بے حد خوش تھے۔ کہ ترک سپاہی پست ہمت ہو گئے ہیں۔ مگر اُن کے مشیر انگریز افسر اُن کو بار بار یہی کہتے کہ جلدی کرو۔ تاکہ ترک سقاریہ کی مورچہ بندی مکمل نہ کر لے۔ ورنہ وہاں

سے اُن کو نکالنا نہایت ہی مشکل ہوگا۔ جب یونانی عسکی شہر کو تاہیہ اور افیون قرہ شہر پہنچ گئے۔ تو انہوں نے شہر کو پہلے لوٹا۔ پھر قتل عام کیا۔ اور اس کے بعد لاشوں کے اوپر جشن منایا

انقرہ میں توپوں کی آوازیں پہاڑوں میں سے گونج کر کئی گنا ڈراؤنی ہو کر سنائی دے رہی تھیں۔ جو لوگ عسکی شہر وغیرہ کے قرب وجوار میں سے جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ تمام ترکی باشندے تھے۔ انہوں نے جب ہولناک واقعات اور انتہائی بربریت سے لبریز قصے بیان کیے اور یہ بھی کہہ دیا کہ یونانی جلد ہی انقرہ میں پہنچنے والے ہیں۔ تو وہاں کے باشندوں کی اضطراب سے بُری حالت ہو گئی۔ مگر یہ وہ لوگ تھے۔ جو دولت کے پجاری اور آرام طلبی کے غلام تھے۔

یونانی پیشقدمی رُک گئی اگست ۱۹۲۱ء کے شروع میں یونانی، ترکی کے اصلی مورچہ سقاریہ کے سامنے آئے۔ وہ ابھی تک دفاعی لحاظ سے "معمولی مزاحمت" کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔ مگر پھر بھی انہوں نے اخبارات میں شائع کرنے کے لئے عجیب وغریب افسانے گھڑ لئے تھے۔ لیکن یہاں آکر جب وہ آگے بڑھے تو اُن کو بہت زبردست جانی نقصان اٹھانا

پڑا۔ ہر جگہ مشین گنوں سے گولیوں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔ کثیر جانی نقصان نے یونانی جرنیلوں کو سخت پریشان کر دیا۔

لہٰذا یونانی جرنیلوں نے ترکی فوج کو سقاریہ کے محاذ سے نکالنے کے لیئے نہ صرف حرب کے سامان کی مدد مانگی۔ بلکہ مزید فوج کمک کے لیے بھی طلب کی۔

برطانوی حکومت کا رویّہ برطانوی افسر اپنی حکومت کو گھڑی گھڑی کی خبریں دے رہے تھے۔ اُنہوں نے وہائٹ ہال آور وار آفس لندن کو یونانیوں کی بربریت، سفاکی اور لوٹ مار کو پوری تفصیل سے لکھ دیا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ برطانوی افسروں نے یہاں تک لکھ دیا تھا۔ کہ یونانی افسروں اور سپاہیوں کے پاس اس قدر لوٹ مار کا روپیہ اور سامان جمع ہو گیا ہے۔ کہ وہ اب لڑنے کے بجائے اپنے وطن کو جانا چاہتے ہیں۔ تاکہ اُسے محفوظ جگہ رکھ دیں۔ اور جو جانی نقصان ہوا ہے وہ اُن کی غفلت اور لاپرواہی سے ہوا ہے۔ ترک بہادری سے لڑ رہے تھے۔ .. .. .. وغیرہ۔

برطانوی حکومت نے اصرار سے یونانیوں کو جلد حملہ کرنے کا مشورہ دیا۔ اور ساتھ ہی اُن کی ہمت بڑھانے کے لیئے یہ بھی کہا کہ ترک تو نیم مُردہ حالت میں ہے۔ اور اُن کے بہت سے

لیڈر ہمارے پاس آچکے ہیں۔

سقاریہ پر یونانی حملہ ۲۳ اگست کو یونانیوں نے سارے محاذ پر زبردست گولہ باری شروع کردی۔ یہ گولہ باری تقریباً ۲۴ گھنٹے جاری رہی۔ اس کے جواب میں ترک مقابلتاً خاموش تھے۔

۲۴ اگست کو یونانی پیدل فوج نے عسکی شہر کی جانب سے حملہ کیا۔ جیسے ہی یونانی سپاہی آگے بڑھے۔ ترکی مشین گنوں نے اُن کا صفایا کردیا۔ یہ حملہ ۲۸ اگست تک جاری رہا۔ یونانیوں کا شدید نقصان ہوا۔

یونانیوں کے حلیف ارمن فوج کے سپاہیوں نے تو ۲۸ اگست کو آگے بڑھنے سے انکار کردیا۔ اور اپنے یونانی ساتھیوں سے کہا۔ کہ خیریت اسی میں ہے۔ کہ واپس چلے چلو۔ یا کم از کم جو ملک تمہارے قبضہ میں آگیا ہے۔ اُسی پر صبر کرو۔ اس بغاوت کا اثر یونانی فوج پر بہت گہرا ہوا۔ کیونکہ وہ خود پہلے سے لڑائی بند کرنے کی فکر میں تھے۔

سیاسی مراسلے یونانی سپہ سالار نے پھر نئی کمک اور برطانوی دستے کے لیے لکھا۔ جب اس کا جواب نفی میں ملا۔ تو اُس نے حکومت کو لڑائی بند کرنے کا مشورہ دیا۔ کیونکہ ارمنی اور یونانی سپاہیوں کے حوصلے

پست ہو چکے تھے۔

یونانی حکومت نے کئی مراسلے لندن روانہ کیئے اور اُن کا آخری مراسلہ ۳۰ اگست ۱۹۲۱ء کا تھا۔

لائیڈ جارج یکم ستمبر کو لائڈ جارج نے ایک طویل مراسلہ یونانی حکومت کو بھیجا جس میں اس نے حکومت یونان کو لکھا کہ :-

"متارکہ کا خیال چھوڑ دو۔ یونانی حکومت کو وہ غلطی نہیں دُہرانی چاہیئے۔ جو کہ جرمنوں نے ۱۹۱۸ء میں متارکہ کی درخواست کر کے کی تھی۔ حالات وہی ہیں یعنی جس طرح سے جرمنی نے فرانس کے بڑے قیمتی حصّے اور بلجیم پر قابض ہوتے ہوئے متارکہ کیا اور مٹ گیا۔ اسی طرح برطانوی حکومت کو ڈر ہے۔ کہ کہیں ایسا کرنے سے یونانی حکومت کا بھی جرمنی کی طرح سے نقصان نہ ہو ضروری اور اہم بات یہ ہے۔ کہ یونانی حکومت خوف اور جانی نقصانات سے بالاتر ہو کر متارکہ کا خیال ترک کر دے اور بلند حوصلے اور عزم کے ساتھ ترکی مورچہ پر حملہ کر کے اُسے فتح کرے۔ ترک اب آخری دم میں ہیں۔ .. .. .. وغیرہ۔

اس مراسلے کی روانگی سے کئی دن قبل برطانوی حکومت نے اپنے کمانڈر انچیف کو حکم دیا۔ کہ یونانی فوج کے اندر کافی تعداد میں برطانوی افسر بظاہر بطور مشیر بھیج دے۔ مگر جن کا اصلی مقصد

یہ ہوگا۔ کہ یونانی افسروں کے حوصلوں کو بلند کریں اور کم ہمتی کی سزا کی یاد دہانی کرائیں۔

علاوہ ازیں برطانوی سپہ سالار نے بے شمار لاریاں سامان حرب و رسد کی روانہ کر دیں۔ تاکہ یونانی افسر اپنے سپاہیوں سے یہ کہیں کہ برطانوی فوج آ رہی ہے۔ لہٰذا ان کے پہنچنے سے قبل ترکی مورچے کو فتح کر لیا جائے۔

اس طرح سے ستمبر ۱۹۲۱ء کا آغاز دفاعی تیاری اور سیاسی گھما گھمی میں ہوا۔ ترکی سراغ رساں مصروف تھے اور فیصوی تمام حالات کو اکٹھا کر کے حالات کا جائزہ لے رہا تھا۔

نیا یونانی دفاعی منصوبہ

حالات کا جائزہ برطانوی ہائی کمانڈ نے یونانی جنرل سٹاف کو پھر سے ذہن نشین کرا دیا۔ کہ وہ ترکی مورچوں پر جو قدرتی طور سے نہایت ہی مضبوط ہیں۔ اُن پر حملہ کرنے کا خیال ترک کر دے برطانوی افسروں نے یونانیوں کو ان لڑائیوں کا حال بتایا مثلاً گیلی پولی، کوت العمارہ، سلیمان پاک، غازہ، العریش وغیرہ جہاں پر ترکوں نے بہت سی کمزوریوں اور نا اہل سالاروں کے باوجود نہایت شاندار مقابلہ کیا۔ چونکہ اُن کا مقابل مصطفےٰ کمال تھا جسے رُوس، فرانس اور اٹلی نے کافی سامان دے دیا تھا۔ لہٰذا یہ لازمی امر ہے۔ کہ یونانی سپہ سالار ایسے مقام پر

حملہ کرے۔ جہاں کہ دشمن کے پاس قدرتی بچاؤ والی زمین موجود نہ ہو۔ اور جہاں ابھی تک ترک حملے کی امید نہیں کر رہے ہیں۔

دو حکومتوں کے جرنل سٹاف نے یہی فیصلہ کیا۔ کہ وہ علاقہ سکوشک پر قبضہ کر کے گرد و نواح میں ہی مقیم ہے۔ یہاں سے ہی سڑک قوتیہ سے انقرہ کو جاتی ہے۔ لیکن طے یہی پایا کہ انقرہ کی سڑک کو استعمال نہ کیا جائے۔ کیونکہ یہاں ترک چوکس ہوں گے خصوصاً جبکہ شوکت پاشا کا منصوبہ بھی اسی راستے کو استعمال کرنے کا تھا۔

چونکہ مصطفےٰ کمال کو اپنی فوجوں کو منظم کرنے کا وقت نہیں ملا ہے۔ اور وہ تقریباً دو سو میل لمبے مورچے کو سنبھالے ہوئے ہے۔ اس لیے یہاں پر دشمن کا نہ ہونا یقینی ہے۔ اس خبر کی تائید یونانی ہوا بازوں نے بھی کی۔ کہ دریائے سقاریہ کے جنوبی علاقے میں کوئی دفاعی نقل و حمل نہیں ہو رہی اور سب نقل و حمل سقاریہ کے اس مورچہ پر ہے۔ جو کہ عسکی شہر کے مقابل ہے۔

یونانی حملے کا منصوبہ ۱۔ یونانی فوج کے تمام توپ خانے سمندر کے ساحلی شہر قراسو (YARASU) سے لے کر سارے سقاریہ مورچہ پر قبضہ کر کے گلمک (CAKMAK) تک ۱۴ ستمبر کی شام سے لے کر ۱۵ ستمبر کی صبح تک مسلسل گولہ باری کریں۔

۲۔ تمام ہوا باز بھی اس مورچہ پر بم باری کریں۔ اور انقرہ سے آنے والی سڑکوں پر سخت کڑی نگرانی کریں۔ تاکہ یہی ظاہر ہو۔ کہ حملہ اسی حصّے کی کسی جگہ پر ہوگا۔ اس جگہ پر حملہ کی تائید مخبروں اور اپنے ایجنٹوں کی مدد سے خوب پھیلائی جائے۔

۳۔ اس خبر کو صحیح بنانے کی تقویت کے لیے تمام لاریاں دن رات عسکی شہر کی طرف نقل و حمل کریں۔ دن کے وقت وہ سپاہیوں کے دستوں کو لائیں اور رات کو خفیہ طور سے پھر اُن کو لوٹا کر لے جائیں۔ تاکہ عوام کو یہی یقین ہو جائے۔ کہ عسکی شہر ہی میں فوج کا بڑا اجتماع ہو رہا ہے۔ اور ان دستوں کے لیے نئے کیمپ کھڑے کر دئے گئے۔ جہاں رات کو لیمپ جلائے جاتے۔ درحقیقت یہ وہ ترکیبیں تھیں۔ جو کہ نہایت کامیابی کے ساتھ فیلڈ مارشل ایلنبی نے ترکوں کے خلاف کامیابی سے استعمال کی تھیں۔ لہٰذا اُن پر دوبارہ عمل کیا جا رہا تھا۔

۴۔ یہ طے پایا کہ یونانی فوج کے چھ ڈویژن عکسیر (AKSEHIR) اور گولو (GOLU) کے علاقے میں ۵ ستمبر کی شام تک خفیہ طور سے جمع ہوں۔ تاکہ نصف شب کے قریب سکوشک سے گذر کر یینیسی (YENICE) کے قصبے پر پہنچ جائیں۔

وہاں سے انقرہ تک کا راستہ صاف ہے۔ اور اس سے دشمن کو عقب سے لے لیا جائے۔ یہ منصوبہ غازہ پر حملے کے منصوبے کے مطابق تھا۔

مصطفےٰ کمال میدان عمل میں

کمال سارا دن گھوڑے پر سوار ہو کر اہم مقامات کا دوربین سے مطالعہ کرتا رہا۔ اور رات کے وقت فیضوی اور کمال حالات کا جائزہ لیتے۔ تمام خفیہ نگاروں کی اطلاعات سے یہی پتہ چلتا تھا کہ عسکی شہر، بروصہ، کوتاہیہ اور افیون قرہ حصار میں بہت بڑا اجتماع ہو رہا ہے۔ بم باری اور توپ خانے کی گولہ باری نے حملہ کی آمد آمد کا اعلان کر دیا تھا۔

فیضوی، عصمت اور کمال سب اسلامی علم دفاع اور اسلامی دفاعی تاریخ کے ماہر تھے۔ انہوں نے یہ اندازہ لگا لیا کہ یونانی سقاریہ کے مورچوں پر حملہ نہ کریں گے۔ لہٰذا کمال نے اپنے رسالے اور پیدل پلٹن جو بھی وہ سقاریہ کے محاذ سے نکال سکتا تھا۔ نکال لی۔

بعض سالاروں نے اس منصوبے کو شکوک کی نظروں سے دیکھا۔ مگر اُن کو یہ معلوم نہ تھا۔ مصطفےٰ کمال کا آخری ارادہ کیا ہے۔ وہ اُس فوج کو موبائیل ریزرو (نقل و حمل کے قابل محفوظ دستہ) سمجھتے تھے۔ اس دستے کا سالار اب عصمت کو کیا اور سقاریہ

کے محاذ کی ذمہ داری اُس سے لے لی۔

۱۔ عصمت پاشا کے لیے احکام یہ تھے۔ کہ وہ اپنے لشکر کو قولوقائے (KULLU KOY) کے گرد و نواح کے چھپاؤ میں اس طرح سے تیار رکھے۔ کہ یونانیوں کے حملے کے وقت عصمت کی فوج کا جوابی حملہ اس طرح ہو، کہ وہ یونانیوں کو صحرا کی جانب دھکیلے۔ تاکہ یونانی دلدل اور صحرا میں پھنس جائیں اور اس کے بعد اُن کے واپس لوٹ جانے کے راستے بند کر دے۔ نیز مصطفےٰ کمال کے احکام کے بغیر دشمن کا تعاقب نہ کیا جائے۔

۲۔ سقاریہ محاذ کے کمانڈر کو حکم دیا۔ کہ وہ گولہ باری کے بند ہوتے ہی نگہبان (سکاؤٹ) دستے ہلکی مشین گنوں (LIGFIT MACHINE GUN) کے ساتھ محاذ پر بھیج دے۔ تاکہ وہ دشمن کے پہلے ریلے کو کچھ عرصہ کے لیئے روک دیں اور اس طرح سے یہ بھی معلوم کر لیں، کہ دشمن کا اصلی مقصد کیا تھا اور وہ فیصلہ کن حملہ کہاں پر کرے گا۔

بالفاظِ دیگر کمال کی ذمہ داری بہت خطرناک تھی۔ کیونکہ بغیر ہوائی جہاز کی مدد کے اُس کو یہ یقین کرنا تھا۔ کہ دشمن کا کارگر حملہ کہاں پر اور کس وقت ہو گا۔ اس شخصی معلومات کرنے کے دوران میں دشمن کی گولہ باری سے مصطفےٰ کمال کا گھوڑا مارا گیا۔ اس

وجہ سے کمال پہاڑی سے نیچے گرا۔ اُس کا بایاں بازو ٹوٹ گیا۔ اور چند پسلیوں میں بھی سخت چوٹ آئی۔ مگر مصطفٰے کمال چند ساعت کے بعد پھر گھوڑے پر سوار تھا۔ جیسے کہ کچھ ہوا ہی نہیں ہے۔

دشمن پر جوابی حملہ ۶ ستمبر ۱۹۲۱ء

دشمن نے ویسے ہی کیا جیسا مصطفٰے کمال نے قیاس کیا تھا۔ لہٰذا جب دشمن کے دستے عین زد میں آ گئے۔ تو عصمت کے دستوں نے دو جانب سے اچانک حملہ کیا۔ یونانی اس حملے کے لیئے نہ تو تیار ہی تھے۔ اور نہ اُن کے قیاس ہی میں یہ بات تھی کہ وہاں پر اس قدر زدست حملہ ہو گا۔ گھبراہٹ، یاس اور بزدلی نے اُن کے ہوش گم کر دیئے اور خود بخود تونیہ کی جانب بھاگے۔ مگر ان کو علم نہ تھا کہ وہ عظیم دلدلوں، صحراؤں اور نہایت ہی خشک علاقے میں گھس رہے ہیں۔ جہاں میلوں تک پانی نہیں ملتا۔

افیون قرہ حصار کی طرف انہوں نے لوٹنے کی کوشش نہ کی۔ اگر کرتے بھی تو عصمت کے دستے اُس کے لیئے تیار تھے۔ ان حالات کی بنا پر مصطفٰے کمال نے رضا کار رسالے کو تعاقب میں بھیج دیا۔ یہ ترکی رسالہ بھیڑیوں کے اس غول کی طرح سے تھا جو بھیڑوں کے غول پر حملہ کرتا ہے۔ (نقشہ ب ملاحظہ کریں)

سقاریہ کا محاذ یہاں پر گولہ باری کے بعد یونانی فوج نے حملہ کیا۔ مگر وہ نہایت بے دلی سے تھا۔ ترکی فوج کے دل میں کوئی شک و شبہ نہ رہا کہ حملہ صرف دھوکے کی غرض سے کیا گیا تھا اور نقلی اور جعلی ہے اصلی حملہ کہیں اور ہوگا۔

فیصلہ کن فتح ۱۳ ستمبر ۱۹۲۱ء کو مطلع صاف ہو جاتا ہے یونانیوں کو اپنی تباہی کا پتہ چل جاتا ہے اور وہ ۱۳ ستمبر کو بے شمار مال و اسباب کے علاوہ کئی ہزار قیدی اور زخمی چھوڑ کر اپنے پہلے مورچے پر چلے جاتے ہیں۔ جو عسکی شہر اور افیوں قرہ حصار کے درمیان تھا۔ اور فضا میں یونانی ہوائی جہازوں کی جگہ گدھ اور چیلیں منڈلا رہی تھیں۔ جو یونانی لاشوں کا صفایا کر رہی تھیں۔ مصطفےٰ کمال نے سٹرٹیجی کے اصول کے موجب یونانیوں پر فتح حاصل کر تھی۔ اور اب آخری حربی وار کی کسر باقی تھی۔

جنگ سقاریہ کے بعد وہ لوگ جو انقرہ سے اپنے عیال و اطفال کو محفوظ جگہوں میں بھیج چکے تھے اور خود بھی فرار ہونے کی فکر میں تھے۔ اب گولہ باری کی آوازیں بند ہو جانے سے سبب سے آگے تھے۔ تاکہ فاتح سقاریہ کے گلے میں پھولوں کے ہار پہنائیں وہ "مجلس کبیر"

کے ایوان میں جمع ہو کر مصطفےٰ کمال کے لیئے غازی اور مارشل" کا عہدہ تجویز کرتے ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ جنگ کو بند کر کے بہترین شرائط پر صلحنامہ کر لینا مفید ہوگا۔

مصطفےٰ کمال نے ان سب کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا۔ کہ ترکوں کی ابھی فتح نہیں ہوئی۔ بلکہ صرف عارضی فتحیابی ہوئی ہے۔ دشمن ہمارے ملک پر قابض ہے ہمیں اُسے نکالنے کے لیئے لڑنا پڑے گا۔ غازی انور پاشا نے بخارا سے اور جمال پاشا نے افغانستان سے مبارک باد کے تاروں کے بعد اپنے فوجی دستے بطور کمک کے پیش کیئے۔ روس اور اٹلی نے بھی یہ پیش کش کی۔ مگر مصطفےٰ کمال نے سب کا شکریہ ادا کر دیا۔ البتہ روس اور اٹلی سے زیادہ ہتھیار گولہ بارود اور دیگر سامان حرب و رسد مانگا۔ سب جگہوں سے سامان آنے لگا۔ برطانوی بحری بیڑے نے بعض مقامات پر بر مزاحمت کی۔ مگر ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ کہ برطانیہ اب شش و پنج میں ہے۔

یونان کے سیاست دانوں نے برطانوی دفاعی مقصدوں کو شکست کا باعث قرار دیا۔ یونانی حکومت نے بہت لمبے مراسلے بھیجے۔ جن میں کبھی تو عجز تھا۔ اور کبھی جنگ بند کرنے کی جنگ بند کرنے کی دھمکی۔ اسی تگ و دو میں تقریباً ایک

سال گزر جاتا ہے۔ برطانیہ نے اپنے دفاعی مبصروں کو استنبول میں واپس بلا لیا۔

کمال کی دفاعی چال

کمال دشمن پر اب ایسا کاری وار کرنے پر تلا ہوا تھا۔ کہ اس وار کے بعد وہ پھر نہ اٹھ سکے۔ ترکی سیاست دان بے حد بے صبری سے کام لے رہے تھے۔ مگر کمال نہایت صبر و استقلال سے تیاری میں مصروف تھا۔

اپنے حملے کی تاریخ اور تیاری کو پوشیدہ رکھنے کے لیے مصطفےٰ کمال نے اپنی فتح کی خوشی میں فوجی کھیل کرتب کے مقابلے کا اعلان کیا۔ یہ کھیل کرتب اگست ۱۹۲۲ء کی ۲۳ تاریخ کو شروع ہوئے یعنی جبکہ ترکوں اور یونانیوں میں پہلی بار سقاریہ کے میدانِ جنگ میں مڈھ بھیڑ ہوئی تھی۔

۲۶ تاریخ کو انعام تقسیم ہونے کا دن مقرر ہوا اور اس دن تمام جرنلوں کو فیضوی پاشا نے دعوت نامے بھیجے۔ اور مصطفےٰ کمال نے اراکین مجلس کبیر کو دوپہر کے کھانے کی دعوت دی۔

۲۶-۲۷ تاریخوں کی شب کو دشمن پر شبخون مارنے کا فیصلہ ہوا تھا۔ لہٰذا کمال نے اپنے ماتحتوں کو اس طریقے سے بلا کر تمام جنگی ہدایات دے دیں۔ اراکین مجلس کبیر اچھے

کھانے اور کھیل کر تب سے محظوظ ہو کر افقرہ لوٹ گیے۔ ۲۷ اگست کی صبح کو چار بجے کے وقت عسکی شہر اور رافیوں قرہ حصار اور کوتاہیہ پر ایک ہی وقت میں اس طور سے حملے کا انتظام کیا گیا تھا۔ کہ یونانی کیمپ مکمل طور سے محصور کر لیے جائیں۔

یونانی سپہ سالار گرفتار حملہ کامیاب رہا۔ اور یونانی سپہ سالار کو نیند سے بیدار کیا گیا۔ اور اُس کو کہا گیا۔ کہ وہ ترکی فوج کا قیدی ہے۔ یہی حشر دوسرے یونانی اپنے کیمپ میں سفاریہ کی پیشقدمی کی رات بھر شراب عیش و نشاط لنڈھاتے رہے۔ وہ ترکوں کے پراپیگنڈے کو زائل کرنا چاہتے تھے۔ بہت سے یونانی دستے بھاگ نکلے۔ اُن کے تعاقب میں ترکی رسالہ بھیج دیا گیا۔

کمال کے پہلے حملے کا پہلا فیز جب کامیاب رہا تو اُس نے دشمن کو دم لینے کا موقع نہ دیا۔ چنانچہ ترکی رسالہ فوراً ہی کئی دستوں میں سمرنا اور چناک کو بھیج دیا گیا۔ اور جو یونانی فوجی لاریاں لوٹ میں ہاتھ لگیں۔ اُن پر پلٹن کے دستے اپنے رسالے کے دستوں کی مدد پر بھیج دئے۔ اس سلسلے میں نقشہ (ب) ملاحظہ فرمائیے۔

سمرنا پر ترکی جھنڈا جب ترکی رسالہ سمرنا پہنچا۔ تو عصر کا وقت تھا۔ یونانی بالکل بے خبر تھے۔ کہ عسکی شہر

افیوں قرہ حصاریا کوتاہیہ میں کیا ہوا۔ اُس کی زیادہ وجہ یہ تھی کہ ترکی فوج نے چاروں طرف تار کاٹ دیئے تھے۔ لہذا ٹیلیگراف کا سلسلہ ختم ہو چکا تھا۔ یہ بھی وجہ تھی کہ وہاں کے عوام جشن کی رنگ رلیاں منانے کے باعث گرد و نواح سے بے خبر تھے۔

رسالے کے چند سپاہی آگے بڑھے اور سمرنا کے بلند مقاموں پر ترکی جھنڈے آویزاں کر دیئے۔ گو یونانی فوج سمرنا میں کافی تعداد میں تھی۔ مگر ترکی افسر کے اعلان پر جو اُس نے بہ بانگ بگل کیا۔ فوراً قلعے سے آئے اور ہتھیار گرا دیئے۔ وہ اس قدر حیرت زدہ تھے کہ اُنہوں نے یہ بھی معلوم نہ کیا کہ اُن کے مقابل میں ترک کتنی تعداد میں ہیں۔

اسی طرح سے 'چنک' پر ترکی فوج نے قبضہ کر لیا۔ مگر برطانوی جنرل اپنی فوج اور برطانوی بیڑے کے ساتھ چنک پہنچ گیا۔

ترکی فوجیں اب پھر بحر اسود اور بحر ابیض کی لہروں کا مشاہدہ کر رہی تھیں۔ برطانوی بحری بیڑہ اس کا سدِ راہ نظر آتا تھا لیکن کیا مصطفےٰ کمال، تیمور کی طرح بحر ابیض کی لہروں سے شکست کھا کر واپس لوٹ جائے گا؟ اگر نہیں تو وہ برطانوی بحری بیڑے کو کس طرح سے زک دے گا؟

اراکین مجلس کبیر انقرہ میں اپنی فتوحات پر بغلیں بجا رہا ہے

تھے۔ ترکی عوام جن پر یونانی سپاہیوں نے مظالم ڈھائے تھے۔ اب اپنی سزا بھگت رہے تھے۔ دیہاتوں کے مرد تو مرد عورتیں بھی اُن کی تذلیل کر رہی تھیں۔

سیاست دانوں کی عید ہے۔ وہ اپنے کارناموں سے عوام پر جادو کر رہے تھے۔ یونانی چلے گیے۔ لہٰذا وہ یہ کہتے ہیں۔ کہ اب فوجیوں کو ایک طرف ہٹ جانا چاہیے اور اب سیاست کی مدد سے پھر سے امن و امان قائم کیا جائے۔ باوقار صلح کا عہد نامہ مرتب کیا جائے۔ تاکہ ہر مرد و زن امن کی زندگی بسر کر سکے۔

مجلس وطنی کبیر کے اراکین دو فریقوں میں بٹ گیتے۔ ایک وہ جو برطانوی اقتدار سے سہمے ہوئے تھے۔ یا ممکن ہے زر خرید بن چکے ہوں۔ وہ برطانیہ سے صلح کرنے پر تُل گیتے۔ مگر دوسرا گروہ لڑائی لڑنے پر آمادہ تھا۔ یعنی اُس صورت میں انگریز مزاحمت پر تلے رہیں۔

مصطفےٰ خاموش تھا۔ وہ نہ لڑائی چاہتا ہے۔ نہ بے عزتی کی صلح۔ وہ سب کو یہی جواب دیتا ہے "صبر کرو اور تدبیر سے راہنمائی حاصل کرو"

ڈپلومیسی اور عزم میدانِ عمل میں

کمال نے تمام حلیف اور دیگر ملکوں کو مراسلے

بھیج دیتے اور اُن سے درخواست کی، کہ برطانیہ کو دوبارہ جنگ کرنے سے روکیں اور ترکی علاقے کو ترکوں کے لیئے خالی کردیں۔ وہ امن چاہتا ہے، مگر باعزّت و باآبرو۔ اور ترک وطن اور عزّت کی خاطر مرنا بھی جانتے ہیں۔ اُن کو موت کی بازی لگانے پر مجبور نہ کیا جائے۔

سب سے پہلے اطلاع امریکی ملٹری اٹاچی جرنل رابرٹس سے ملتی ہے۔ جو غیر جانبداری کا یقین دلاتا ہے۔ فرانس کا سفیر بیچ بچاؤ کے لیئے تگ و دو کرتا ہے۔ امریکی یہودی پکار اُٹھتے ہیں کہ وہ نئی عالمگیر جنگ نہیں چاہتے۔ وہ کسی کو روپیہ نہ دیں گے۔ انگریز کا عزم مشہور ہے۔ اور ڈپلومیسی میں بھی وہ ماہر ہے اب ایک طرف انگریزوں کا عزم ہے اور دُوسری جانب مصطفےٰ کمال کا آہنی استقلال۔

برطانوی ڈپلومیٹ کی عظیم ترین غلطی

برطانوی جرنل سر چارلس ہیرنگٹن نے جوش میں آکر چنک کی بندرگاہ پر قلعہ بندی کردی اور مورچوں میں برطانوی سپاہی مقیم کردئے۔ مصطفےٰ کمال نے برطانوی مورچہ بندی کو صبر سے دیکھا اور سب حیران تھے کہ وہ ساکن کیوں ہے اگر اُس نے گیلی پولی کو جانا ہے۔ تو پھر وہ برطانوی سپاہیوں کو مورچہ بندی کرنے کی اجازت کیوں دے رہا تھا۔ جتنے منہ اتنی

ہی باتیں تھیں۔

حدیث دفاع کا ایک ورق

کمال کا فیصلہ کمال نے ایک مراسلہ جرنل ہیرنگٹن کو بھیجا۔ اور اُس سے کہا اُسے راستہ دے دے۔ ورنہ جنگ کا ذمہ دار وُہ ہوگا۔ اُس نے اُسے تاریخ اور وقت کی اطلاع بھی دے دی۔

اس مراسلے کی نقول اُس نے تمام سفرا اور دول یورپ و امریکہ کو بھیج دی۔ تمام دفاعی مبصّر اور ڈپلومیٹ اس مراسلے کو پڑھ کر حیران ہو گئے۔ اور وقت معیّنہ کے منتظر بیٹھ گئے۔

مغربی طاقتوں کے درمیان ڈپلومیسی جنگ جاری ہو گئی۔ اور وہ فریق جو برطانیہ سے اس لیے ناراض تھے۔ کہ اُس نے لُوٹ کا بہت کثیر حصّہ اپنے قبضہ میں لے لیا تھا مصطفےٰ کمال کی مدد کرتے ہیں۔ مگر برطانیہ نہایت استقلال سے اپنی جگہ قائم رہا۔ یُونان میں بے حد انتشار پھیل چکا تھا۔ اور برطانوی مبصّر اسے باعزم نہ بنا سکے۔

فرانس اور اٹلی اس بات سے حیران تھے۔ کہ ترکی سمندر کو پار کیسے کرے گا۔ اور وُہ مصطفےٰ کمال کو فضائی تصوّر کرنے لگے۔ جو کہ ایسی دھمکی دے رہا ہے جس کی پُشت پر کوئی اخلاقی یا مادی

طاقت نہیں تھے۔ کیونکہ حکومتیں بھی برطانیہ سے جنگ مول لینے کے لیئے تیار نہ تھیں۔ امریکہ نے دونوں طرف سے غیر جانبداری کا اعلان کر دیا ہے۔ یہودی گو مالی مدد نہ دینے کی دھمکی دے رہے تھے۔ مگر ساتھ ہی برطانیہ سے سودا کر رہے تھے۔ تاکہ اپنے لیئے زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل کر سکیں۔

لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں، کہ یورپ کے زیادہ تر ڈپلومیٹ اس دھمکی کو (BLUFF) ایک عیارانہ سیاسی چال سمجھ رہے تھے۔ اور اس چال کی پائیداری پر اُن کو شکوک تھے۔

مصطفےٰ کمال کی تدبیر

مقررہ وقت پر برطانوی مورچہ بند فوج نے یہ دیکھا۔ کہ ترکی فوج عصمت پاشا کی سرکردگی میں ایک عجیب شان اور نظم سے برطانوی مورچے کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اُن کی بندوقیں اس شان سے ترکی سپاہیوں کے کندھوں پر رکھی ہوئی ہیں۔ جیسے وہ کسی مُردہ فوجی لاش کے جلوس میں ماتم کے لیئے ہمراہ جا رہی ہو۔ اس فوجی دستے کی رفتار بھی "ماتمی سلو مارچ" کی تھی۔

جنرل ہیر نگٹن نے دُوربین سے یہ حالات دیکھے۔ وہ حیرت زدہ تھا کہ ترکوں نے یہ اعلان کر دیا ہے۔ کہ وہ جنگ کرنا نہیں چاہتے۔ مگر وہ ہتھیار بندی سے یہ بھی جتا رہے ہیں۔ کہ وہ مرنا بھی جانتے ہیں۔

لاش کہاں ہے؟ وہ غالباً یونانی حملہ آور کی بربریت ہے جسے وہ سمندر کی لہروں کے سپرد کرتے آئے تھے۔

جرنل ہیرنگٹن نے ایک طرف تو یہ اعلان کر دیا کہ اگر ترک آگے بڑھے۔ تو برطانوی سپاہی اپنے بچاؤ کے لیئے گولی چلا دیں گے!

کمال کا جواب یہ تھا۔ کہ وہ اس گولی کا برطانوی رائفل سے چلنے کا منتظر ہے۔ تاکہ دنیا کو یقین ہو جائے۔ کہ یونان سے مظالم ڈھانے کی ذمہ واری کس پر عائد ہوتی ہے۔

جرنل ہیرنگٹن نے فرانسیسی سفیر فرینکلین بویوں سے مصالحت کے لیئے کہا۔ مگر کمال نے اپنی فوج کو تھم جانے کا حکم نہ دیا۔ روسی اور اطالوی سفیروں نے اپنی حکومت کی طرف سے مصطفےٰ کمال کی دوستی اور امداد کے عہد نامے کی طرف توجہ دلائی۔

حالات ایسے ہو گیئے۔ جو جرنل ہیرنگٹن کی شخصی قدرت سے باہر تھے۔ لہٰذا اس نے فرانسیسوں کی وساطت سے چوبیس گھنٹے کے التوا کی اجازت مانگی۔

چند ہی گھنٹے گذرے تھے۔ کہ یونان نے یورپی ترکی علاقے کو خالی کرنے کا اعلان کر دیا۔ برطانیہ اب لڑتا تو کس بنا پر؟

چنانچہ ۱۹ اکتوبر کو قصبہ مودانیہ میں عہد نامہ تکمیل پایا۔ جس کی رو سے تمام یونانی ترکی کو چھوڑ کر اپنے وطن کو چلے گیئے۔

جرنل ہیرنگٹن نے برطانیہ اور یونان کی طرف سے اس معاہدے پر دستخط کیئے اور عصمت پاشا نے ترکی احرار کی طرف سے۔

مصطفےٰ کمال کا طرزِ عمل کیا واقعی بلف (BLUFF) یعنی سیاسی جھانسا تھا؟

یہاں پر مصنف اور مصنفین سے اختلاف رائے رکھتا ہے یہ جھانسہ نہ تھا۔ بلکہ اس طرزِ عمل سے مصطفےٰ کمال اور فیصوی کی دفاعی۔ جغرافیائی اور ڈپلومیٹک قابلیت کا پتہ چلتا ہے اس کی دلیل میں ہم حسب ذیل وجوہات پیش کرتے ہیں:۔

۱۔ گو احرار ترکوں نے سمرنا پر قبضہ کر لیا تھا۔ جہاں پر بہترین بندرگاہ بھی تھی۔ اور جہاں ترکوں کو چند یونانی چھوٹے جہاز بھی مل گئے تھے۔ مگر انہوں نے اس بندرگاہ سے سمندر پار جانا اس لیئے مناسب سمجھا۔ کہ برطانوی بحری بیڑہ یقیناً اُن کی اس کوشش کو ناکام کر دیتا۔ سمرنا کو لیگ آف نیشنز اور موتمرین صلحنامہ ورسائی نے یونانیوں کے حوالے کر دیا تھا۔ ترکی کے خلاف برطانیہ یہاں پر یونان کی مدد کے لیئے آ سکتا تھا۔

۲۔ ہمارے خیال میں مصطفےٰ کمال نے چنک کے قلعے پر محض اس لیئے حملہ کیا اور اسے اپنا مستقر بنایا۔ کیونکہ یہ علاقہ نہ تو لیگ آف نیشنز کے حوالے کیا گیا تھا اور نہ ہی

یونان کے قبضے میں دیا گیا تھا۔ بلکہ ایک ناکارہ بندرگاہ ہونے کی وجہ سے اسے ترکی (یعنی خلیفہ ترکی) ہی کے علاقے میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ یہاں پر موثرین صلحنامہ و رسائی اور اُن کے دفاعی مشیر یہ بھول چکے تھے کہ کوئی صدیوں قبل یہاں سے ہی عثمانی ترکوں نے بحر ایبفس کو عبور کر کے گیلی پولی کو فتح کیا تھا۔

۳۔ ہمارا یہ بھی قیاس ہے۔ کہ اسی وجہ سے مصطفےٰ کمال نے یہاں عجلت سے کام نہ لیا۔ اور برطانیہ کے اقدام کو غلط ثابت کرنے کی غرض سے اُسے ایسی جگہ مورچہ بندی کرنے پر مجبور کیا۔ جہاں مداخلت کا اُسے کوئی اخلاقی یا قانونی حق نہ تھا۔

اس منصوبہ میں دیر کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ کہ کمال برطانیہ اور یونان کے علاوہ مغربی طاقتوں کو اپنے اصلی منصوبے سے آگاہ نہ کرنا چاہتا تھا۔

یہاں پہنچ کر مصطفےٰ کمال کا فرض بحیثیت سالار کے ختم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا مناسب یہ ہے۔ کہ ہم یہ دیکھیں کہ ہم اس جدوجہد سے کیا دفاعی اسباق حاصل کریں۔

لیڈل ہارٹ مشہور برطانوی دفاعی مبصر اپنی کتاب "دی ریل وار" (THE REAL WAR) میں جنگ عظیم

کے اسباق لکھتے وقت یہ لکھتا ہے کہ :-

"لڑائی میں فتح حاصل کرنے کا مقصد یہ ہونا چاہیئے۔ کہ سپہ سالار اپنے مخالف سپہ سالار اور اپنی دشمن حکومت کی ذہنی اہلیت و توازن کا صحیح اندازہ لگائے۔ کیونکہ آخری فتح کا میدان جنگ میں فتوحات یا دشمن کی افواج کی طاقت پر ہی انحصار نہیں ہوتا۔ یا فقط اس بات پر کہ ہم نے دشمن کی فوج کے کتنے سپاہی ناکارہ کر دیئے۔ یہ باتیں آخری فتح کے حصول میں یقینی مدد دیتی ہیں لیکن اصلی چیز اور ذریعہ جو دشمن کو مغرور اور مغلوب کرتا ہے۔ وہ اس کی ذہنی شکست ہے اور مادی یا اخلاقی کمزوری نہیں ہے"۔

نپولین اور جرنل فوچ نے اس مسئلہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ

"میدان جنگ میں فتح و شکست کا باعث ایک انسان ہوتا ہے اور تمام سپاہ نہیں ہوتی"

اس بیان کی صداقت عالمگیر جنگ اوّل کے آخری ایّام سے ملتی ہے جبکہ جرمن مارشل لیوڈنڈارف گو بظاہر "مارن" (MARNE) کے میدان جنگ میں جولائی کے جوابی حملہ میں کامیابی کے بعد مزید پیشقدمی کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ مگر اگست میں اتحادی چوتھی آرمی کے جوابی حملے نے نہ صرف اس کی پیشقدمی کی تیاریوں کو الٹ پلٹ کر دیا۔ بلکہ درحقیقت سٹریٹجی کے اصول سے وہ لڑائی ہار چکا تھا۔ .. .. .. وغیرہ

اب ہم آپ کی توجہ یونانیوں کی "ازمیت" کی فتح عسکی شہر اور "رافیوں اور قرہ حصار" پر پیشقدمی کی طرف منعطف کرنا چاہتے ہیں۔

"ازمیت" میں عصمت پاشا نے یونانی فوج کی مزاحمت کر کے اُن کی پیشقدمی کے رُخ کو بولو (BOLU) کی شاہی سڑک سے بدل کر عسکی شہر کی طرف کر دیا۔ یا یوں کہیئے یونانی فوج نے دریائے سقاریہ کی کٹاؤ کی زمین سے گذرنے سے اس لیئے پرہیز کیا کیونکہ ترک اب کمال، فیضوی اور عصمت کے تلے لڑ رہے تھے۔

اینونو کے جوابی حملے نے یہ عیاں کر دیا۔ کہ یونانیوں کے حوصلے پست ہیں اور وہ محض برطانوی وعدوں پر لڑ رہے ہیں۔ ورنہ اینونو میں نہ تو یونانیوں کو سخت مالی نقصان ہوا نہ ہی جانی۔

ہم اس معرکہ کو دراصل معرکہ حدیبیہ کی ایک عمدہ مثال قرار دیتے ہیں۔ اب رہا سقاریہ پر حملہ، وہ غزوہ بدر کی بیسویں صدی کی بہترین مثال ہے۔ جس سے بلا شک و شبہ یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ مصطفےٰ کمال نے کس طرح سے پہلے تو اپنے دشمن کے سالاروں اور اُن کے مشیروں کی ذہنیت کا صحیح اندازہ لگایا۔ اور پھر اُن کو ایسی جگہ میں لا پھنسایا۔ جہاں وہ لڑائی لڑنے سے قبل ہی میدان ہار چکے تھے۔

اس جنگ کا مقابلہ غور سے کیجیئے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی طرح سے کمال نے برطانوی گھمنڈ اور کامیابیوں کا مطالعہ کیا وہاں ابوسفیان تھا اور یہاں انگریز جن کو فلسطین میں حدیث دفاع کی مدد سے جرمن اور نااہل ترکی سالاروں پر کامیابیاں ہوئی تھیں۔ وہ غازہ، میگڈو کے معرکوں کی کامیابی کو دہرانا چاہتے تھے۔ وہ گیلی پولی کے ناکام حملے سے گو سبق حاصل کر چکے تھے۔ مگر برطانوی جرنل نے حدیث دفاع کے اصولوں کا گہرائی اور وسیع النظری سے مطالعہ نہ کیا تھا۔ لہٰذا یونانیوں کی فوج کا وہی حشر ہوا۔ جو کہ بنو قریش کے لشکر کا ہوا تھا۔

تعلیمات قرآنی اب ذرا تعلیمات قرآنی پر غور کیجئے۔ قرآن مجید میں باری تعالےٰ فرماتے ہیں :-

۱۔ فتح و شکست کا دارومدار افراد کی کثرت و قلت پر نہیں ہے۔ بلکہ دلوں کی قوت پر ہے۔

۲۔ جہاد میں موت اور زندگی کے سوال میں الجھنا مسلمان کے شایان شان نہیں۔

۳۔ جن لوگوں میں صبر و استقامت کی سچی روح نہیں ہوتی وہ راہِ عمل میں ثابت قدم نہیں رہ سکتے۔

۴۔ مومن وہ ہے جس کی جد و جہد میں جو کچھ بھی ہے امید کامرانی ہے۔ مایوسی و ناکامی سے وہ ناواقف ہے۔

اہل مشرق مغربی پراپیگنڈہ سے اس درجہ متاثر

ہو گئیتے کہ :۔

۱۔ مصطفےٰ کمال کو وسعتِ نظر اور گہرائی سے نہ دیکھا مثلاً وہ بھول گئے۔ اُس نے ایک نیک سیرت مسلم زاہدہ خاتون زبیدہ کی آغوش میں پرورش پائی تھی۔

۲۔ مصطفےٰ کمال ایسا تُرک تھا جس کے خون میں ملاوٹ نہ تھی۔ لہٰذا اُس میں تُرکی بے باکی۔ دلیری، ایثار کا جذبہ ہونا لازمی تھا۔ کمال کی بنیادی یعنی ابتدائی تعلیم درس قرآن مجید سے ہوئی۔ کیونکہ اُس کی ماں کی سب سے بڑی تمنا یہ تھی۔ کہ وہ ایک مجاہد بنے۔

۳۔ کمال تاریخ و جغرافیہ کا بہت قابل طالب علم تھا۔ جن لوگوں نے کمال کی وہ تقریریں پڑھی ہیں جو اُس نے مجلس وطن کبیر کے ایوان میں کیں۔ خاص کر جب اُس نے خلافت کی مخالفت کی۔ تو یہ ثابت ہو جاتا ہے۔ کہ اُسے اسلامی دفاعی تاریخ میں کس درجہ اعلیٰ مہارت تھی۔

چناک کا واقعہ بھی صلح حدیبیہ سے کس قدر مشابہت رکھتا ہے۔ کمال کو اس کے دوست مشورے دیتے ہیں اور اُسے برطانوی مورچہ بندی اور بحری بیڑے سے اُسی طرح سے خوف دلاتے ہیں جس طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو قریش اور اُن کے معاونوں کے کثیر التعداد لشکر اور خالد بن ولید رضؓ سے

جو ابھی تک مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے ہراساں کیا جا رہا تھا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ باندھے تلواروں پر غلاف چڑھائے بڑھے چلے جاتے تھے۔ وہ خالد کا موچہ چھوڑ کر فریبہ چلے جاتے ہیں۔ بالکل اسی طرح سے کمال سمرنا کو چھوڑ کر چناک کی طرف چلا جاتا ہے۔ اس کی بندوقوں کے بٹ (BUTT) اوپر کی طرف ہیں۔ وہ سوگ میں ہے وہ جنگ مول لینا نہیں چاہتا مگر شہادت کے لیئے تیار ہے۔

انہی باتوں کو یاد دلانے کے لیئے ہم نے اس کتاب کو آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔

احکاماتِ قرآنی اور حدیث دفاع کے اُصول اس قدر عیاں ہیں۔ کہ بیان کے محتاج نہیں۔ ہاں جب ہم ان پر غور ہی نہیں کرتے تو قدرتی امر ہے۔ کہ ہمیں مغربی مبصّرین سے بھیک مانگنی پڑتی ہے۔

حضرت عمرؓ کے اُس مراسلے کی طرف توجہ فرمائیے جو آپ نے حضرت سعدؓ کو اس وقت تحریر فرمایا۔ جب آپ مشرافؔ سے روانہ ہو رہے تھے۔ وہ مکتوب یہ ہے :-

"تم اپنے دل کو مضبوط رکھو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مجھے اس کی اطلاع دو۔ کہ دشمن کی فوجیں تم سے کتنی دُور آ گئی ہیں۔ اور ان کا سپہ سالار

کون ہے۔ کیونکہ موقع و محل اور دشمن کے حالات سے لاعلمی کے باعث میں بہت سی باتیں جو لکھنا چاہتا ہوں، نہیں لکھ سکتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وغیرہ"

سالاروں کے لئے کس قدر اہم اور قیمتی نصیحت ہے۔ لیڈل ہارٹ، نپولین، جنرل فو نے تعلیمات قرآنی اور حدیث دفاع کو دہرایا ہے۔ لیکن تعجب یہ ہے کہ ہم نقل کے تو شیدائی ہیں۔ مگر اصل سے ناآشنا ہیں ؛

اگر ہمت ہے تو لے لو..... مصطفیٰ کمال

مسٹر فٹز جیرالڈ لی (J.FITZ GERALD LEE) نے
لارڈ کچنر کے حکم سے سٹاف کالج کوئٹہ میں ۱۹۵۲ء میں امپیریل
ملٹری جغرافیہ کی کتاب تصنیف کی۔ عالمگیر جنگ میں مسٹر لی
ایک دفاعی مبصر کی حیثیت سے اُس برطانوی فوج کے ساتھ
تھے۔ جو ترکی کے خلاف لڑی۔ لہٰذا آپ نے مشرق وسطیٰ پر
دوسرا ایڈیشن سنہ ۱۹۲۱ء اور سنہ ۱۹۲۲ء میں استنبول میں لکھا۔
اس کا کچھ حصہ جو مصطفیٰ کمال کے متعلق ہے۔ ہم یہاں قلمبند
کر رہے ہیں کیونکہ یہ ہمیں تصویر کے دوسرے رخ سے
آشنا کریں گے وہ لکھتے ہیں۔

"بلقان کی سرزمین میں ہر جگہ شر و انتشار ہے، اور

امن و امان عنقا ہے۔ سب سے تشویشناک بات یہ ہے کہ یونان جو انگلستان اور فرانس کے رحم و کرم سے دوبارہ زندہ ہوا۔ اور ان حکومتوں کے باعث ابھی تک زندہ ہے اور ابھی تک حرص اور غاصبانہ خواہشات سے مخمور ہے۔ یہ وہ ریاست ہے جس نے نہایت ذلیل قسم کا غدار اور محسن کش ہونے کا ثبوت دیا ہے اور جو کہ ابھی تک ترکی سے لڑائی میں مصروف ہے۔"

ہمارے خیال میں کوئی معاہدہ اُس نام نہاد سمجھوتے سے جس کو سیورے کے نام سے پکارتے ہیں دُنیا بھر میں غیر منصفانہ اور مضحکہ خیز نہیں ہو سکتا۔ ہم تسلیم کرتے ہیں۔ کہ ترک عالمگیر جنگ میں ہمارے خلاف لڑے۔ مگر وہ ہمیشہ کی طرح سے با اُصول اور مہذّبانہ جنگ لڑے اور جب اُن کو میدان جنگ میں شکست ہوئی۔ تو اُنہوں نے اپنی ہار کو ایک مرد میدان کی مانند تسلیم کیا۔ یہ وُہ شان ہے۔ جس کا مظاہرہ انہوں نے ہر بار شکست و فتح کے دونوں موقعوں پر مستقل مزاجی سے پیش کیا۔ یہ امر محتاج بیان نہیں کہ یُونانی، اتحادیوں کے خلاف کس انداز سے لڑے یا یُونانی کیوں قابل اعتماد نہیں سمجھے جا سکتے، چاہے وہ دوست کی حیثیت سے اپنے ہاتھوں میں پھُولوں کے ہار لیئے ہُوئے ہی کیوں نہ کھڑے ہوں تاہم یہ اُن کی جبلّی عادت ہے جس سے وہ معذور ہیں۔

۱۹۲۱ء میں اتحادیوں نے سیورے کے نہایت غیر منصفانہ اور کوتاہ اندیش معاہدے کی بنا پر سمرنا کی بیش قیمت بندرگاہ اور اس کے گرد و نواح کا کچھ علاقہ نذرانے کے طور پر یونان کو پیش کر دیا۔ کوئی سمجھوتہ جس کی رُو سے حکومت ترکیہ کے علاقے کا چپہ بھر زمین کا ٹکڑا یونان کو دینا تسلیم کر لیا جائے اُسے نہایت احمقانہ اور کوتاہ اندیش فعل کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

یونان نے اس معاہدے کی بنا پر ترکی حکومت سے مطالبہ کیا۔ کہ وہ یہ علاقہ یونان کے حوالے کر دے۔

اس مطالبے کا جواب ترکی فوج کے سپہ سالار مصطفےٰ کمال نے یونان کے مشہور معروف لیونڈاس کے الفاظ میں یوں دیا:۔

"اگر ہمت ہے تو آؤ لے کر دکھاؤ"

یہ امر تعجب خیز ہے کہ یونانی حکومت کے اراکین ۱۸۹۷ء میں ترکوں کے ہاتھوں شکست کی تلخیاں بھول چکے تھے ورنہ یہ ناممکن تھا کہ ترکوں کے علاقے کا ترکوں سے مطالبہ کرتے اس شکست کے متعلق ایک واقعہ قابل ذکر ہے۔ جو حسب ذیل ہے:۔

اس شکست کے کچھ عرصہ بعد سالونیکا کے یہودی پاپوش فروش دکانداروں نے اس قسم کا اشتہار اپنی دکان اور شہر کی دیواروں پر آویزاں کیا۔ "وہ بوٹ جن کو پہننے کی برکت سے

یونانی سپاہی بھاگ کر ترکوں سے اپنی جان بچا سکے تھے، اسی نرم نے لمبی دوڑ کے کھلاڑیوں کے لئے جوتا تیار کیا ہے... وغیرہ۔" اس اشتہار کی وجہ سے ان یہودیوں کے بنائے ہوئے جوتوں کی فروخت خوب ہوئی۔ یونانی کونسل نے اس اشتہار کے خلاف سرکاری طور سے ایوان میں احتجاج کیا۔

جب یونانی فوج بلامزاحمت سمرنا سے مشرق کی جانب بڑھتی گئی۔ تو یونان کے دارالخلافہ ایتھنز کے کونے کونے کو شاندار فتح منانے کی غرض سے دلہن کی طرح سے سجایا گیا۔ اور ہر طرف خوشیوں کے شادیانے بجائے گئے۔ مگر عین اس موقع پر ایک اخبار نویس نے اس فتح کو یورپ کے مشہور افسانہ "ٹریولڈ ڈاگ" (TRAVELLED DOG) سے تشبیہ دی اور سارا قصہ حماقت کہئے یا دیدہ دلیری پیشین گوئی اپنے اخبار میں شائع کر دیا۔ اس خبر سے یونان کے عوام سخت ناراض ہوئے اور اخبار کے دفتر پر حملہ کر دیا۔ اخبار والے کا یہ حشر ہونا لازمی امر تھا۔ کیونکہ اخبار نویس نے ترکی کو شیر اور یونانیوں کو احمق پوڈل سے تشبیہ دی جو یونانی عوام کو سخت ناگوار گزری۔

سنہ ۱۹۲۲ء میں مئی اور جون کے مہینوں میں مصطفےٰ کمال قزل ارمک کے پہاڑ کی بلندی سے یونانی جہازوں کو مسلسل سامانِ حرب و کمک لاتے دیکھتا رہا۔ وہ اس عقاب کی مانند

تھا۔ جو کہ اپنے شکار کا نہایت صبر و استقلال سے اُس وقت تک منتظر رہا۔ جب تک وہ اس کی مار کی زد میں نہ آجائے۔ مصطفےٰ کمال ان تمام آلات حرب کو سمندر کی گود میں آنے دینا چاہتا تھا، جہاں وہ اُن پر آسانی سے قبضہ کر سکے اور اس کی گرفت سے کچھ بھی بچ کر نہ جا سکے۔

لائیڈ جارج کا بیان

۱۴ اگست ۱۹۲۲ء کو ایک بیان لائیڈ جارج وزیر اعظم برطانیہ کی طرف سے چھپا جو یہ تھا کہ :-

"یونانیوں نے اناطولیہ میں ہر مقام پر اور ہر میدان میں ترکی فوجوں کو شکست دے کر دفاعی فوقیت حاصل کر لی ہے"

تعجب ہے کہ یہ بیان اُس وقت برطانیہ کے اخبارات میں شائع ہوا جبکہ ترکوں کی حالت بھیڑیوں کے اُس غول کی مانند تھی جو کہ بھیڑوں کے گلّے (یونانیوں) میں تباہی مچا رہا ہو۔

جب اناطولیہ میں یونانی افواج کے متعلق اصلی حالات یونان میں پہنچے۔ تو وطن پرست یونانی سپاہیوں نے سیاسی اور کئی دوسرے لیڈروں کو قتل کر دیا اور بہت سے اراکین سلطنت کا بھی عوام نے صفایا کر دیا۔

اُس وقت یونان کا تخت نشین قیصر ولیم کا سالہ کانسٹنٹائن تھا۔ یونانی عوام نے اُسے بھی تخت سے اتار دیا۔ اس بدقسمت

بادشاہ کو اب تیسری بار تخت سے اُتارا گیا تھا۔ وہ غریب الوطنی میں چند ہفتوں سے زیادہ زندہ نہ رہا اور اسے موت نے جلد ہی آگھیرا۔

اس شکست کے بعد یونان کے لیئے کوئی اور چارہ نہ تھا کہ نئی چھوٹی متحدہ ریاستوں (UTTLE ENTENTE) میں شامل ہو جائے اور یوگوسلاویہ کو حکومت یونان کی ملوں اور بندرگاہوں کے بطور استعمال دینے پر مجبوراً راضی ہو جائے اور اپنے گھمنڈ اور تکبر کو اپنے دماغ سے نکالنے کے بعد یہ اچھی طرح سے ذہن نشین کرے کہ "سکندر کو مرے ہوئے بہت زمانہ ہو چکا ہے" اور پدرم سلطان بود کی شیخی کو آئندہ نہ دہرائے ۔۔۔۔۔ مصطفےٰ کمال نے یونانیوں کو درپے شکستیں دے کر ان کے دماغ کے توازن کو درست کر دیا۔

اٹلی چونکہ بہت ہی حریص تھا۔ لہٰذا وہ البانیہ کو ہڑپ کرنا چاہتا تھا۔ اٹلی اور یوگوسلاویہ میں باہمی طور پر سخت عداوت تھی کیونکہ یوگوسلاویہ نہ صرف بحر ایڈریاٹک کو اپنی واحد ملکیت منوانا چاہتا تھا۔ بلکہ وہ بحر وسط میں بھی دخل اندازی کرنے کا حق پیش کر رہا تھا۔ اس دعوے کی دلیل میں وہ یہ کہتا تھا کہ بحر وسط کا پچاس میل کا ساحل اس کے علاقہ کا ایک حصّہ ہے ۔۔ ۔۔ ۔۔ معاہدہ ورسائی کی

کامیابی کا انحصار یورپی طاقتوں کے باہمی اعتماد اور دوستی پر ہے، تاکہ اُسے کامیاب بنانے کے لیے باامن اور دوستانہ رسائل استعمال کر سکیں ... ... فرانس بلقانی ریاستوں کے مغرور رویّہ کی بنا پر اُن سے ناراض تھا۔ فرانس کو یہ شکوہ تھا کہ یہ ریاستیں فرانس کے احسانات و مراعات کو بھول کر اب اُسے اپنا مربّی اور آقا تسلیم نہیں کرتی ہیں ... ... ‘‘

فٹزلی جیرلڈلی کی ترکوں کے متعلق پیشین گوئی

جب ہم دُنیا کی دفاعی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں، تو ہماری نظر سے یہ واقعات گزرتے ہیں کہ ترکوں نے صرف ایک ہی میدان جنگ میں شکست نہیں کھائی۔ بلکہ مسلسل تین اور چار بار مختلف مقامات پر مُنہ کی کھائی۔ مگر اس کے بعد ہمارے مطالعہ میں یہ بات بھی آتی ہے۔ کہ ان ہزیمتوں کے بعد ترک آخری میدان میں فتحیاب ہو جاتا ہے۔ ۱۸۷۷ء میں ترکوں اور رُوسیوں کی جنگ کو ہی لے لیجئے۔ کہ اُس جنگ میں رُوسیوں نے ترکوں کو چار بار مختلف محاذوں اور مقامات پر بہت بڑی شکستیں دیں۔ مگر آخر کار جب پانچویں بار رُوسیوں اور ترکوں میں پلونا کے مقام پر جنگ ہوتی ہے۔ تو عثمان پاشا کے لشکر نے صرف دوپہر سے قبل ۱۸ ہزار روسیوں کو موت کے گھاٹ

اُتار دیا تھا۔ اور پھر اس کے بعد عثمان پاشا نے رُوسی لشکر کو ایسی شکست فاش دی۔ کہ رُوس جانکنی تک پہنچ گیا۔ اسی طرح سے ۱۹۱۴-۱۵ء کی جنگ میں عراق عرب کے میدان جنگ میں ترکوں کو پے در پے شکست دینے کے بعد برطانوی فوج جب سلیمان پاک (CTESIPHON) میں فاتحانہ انداز سے پہنچی۔ تو ترکی فوج نے نہ صرف برطانوی فوج کو یہاں پر شکست دی۔ بلکہ برطانوی پیشقدمی پسپائی میں بدل گئی۔

فلسطین میں غازہ کے مقام پر برطانوی فوج کا ترکی فوج کے ہاتھوں یہی حشر ہوا۔ گو اس وقت تک ۱۹۲۲ء میں ان لڑائیوں کے مفصل حالات صحیح طور سے قلمبند نہیں کیئے جا چکے ہیں۔ مگر ہمارے دل میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ کہ برطانوی بہادر اور جنگجو فوج کے کچھ رسالے کے دستے غازہ شہر میں داخل ہو چکے تھے۔ اور اس بات کو بھی ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کہ غازہ کی جنگ میں بھی ہماری فوجوں کو ترکی فوج کے ہاتھوں سخت جانی نقصان کے بعد ہزیمت کا منہ دیکھنا پڑا۔ اور ہماری فوجیں وہاں سے اُلٹے پاؤں لوٹ آئیں۔ اس محاذ پر ترکوں کے ہاتھ میں وہی موقع تھا جو کہ انہیں پلونا کے مقام پر عثمان پاشا کی سرکردگی میں ملا تھا۔ مگر یہاں ترکی جرنیل

نے اس موقع کو اپنی کوتاہ اندیشی سے کھو دیا۔ گو ترکی فوج کے جرمن صلاح کار جرنل وان ڈرگالٹز نے ترکی جرنل کو نہایت صحیح مشورہ دیا تھا۔ جسے اُس نے رَد کر دیا۔"

پوڈل کتّے کی کہانی ہم اس قصّے کو اس وجہ سے درج کرتے ہیں۔ کہ ہمارے خیال میں گو یہ قصّہ مغربی تعلیم یافتہ حضرات نے غالباً سُنا ہوگا۔ مگر مشرقی درسگاہوں میں اُس کی رسائی شاید ہی ہوئی ہو۔

سیّاح کتّے پوڈل کی آپ بیتی یورپ کا ایک سیّاح اپنے کتّے پوڈل نامی کو ایشیا میں سیاحت کے وقت اپنے ہمراہ لے گیا۔ جب پوڈل سیر و سیاحت کے بعد ایشیا سے اپنے وطن یورپ کو لوٹا، تو وہ اپنے اُن ساتھیوں کو جو اپنے وطن سے باہر نہ گئے تھے۔ بہت حقارت سے دیکھنے لگا۔ وہ اپنی سیاحت کے تجربوں پر بہت مغرور ہو گیا تھا۔

اُس کے ہموطن ساتھی کتّوں نے پوڈل کے اعزاز میں دعوت دی تاکہ وہ اپنے سفر کے حالات سے اُن کو مستفید فرمائے۔

پوڈل نے حالات سناتے وقت اپنے دوستوں سے یوں کہا:۔

"ہندوستان میں ہم نے یہ سُنا۔ کہ وہاں کے کتّے اس قدر بہادر ہوتے ہیں کہ وہ شیر پر حملہ کرنے سے نہیں ڈرتے ہیں۔"

اس پر پوڈل کے رفیقوں نے اُس سے یُوں کہا:۔

"بھیا یہ تو بتاؤ۔کہ کیا تم نے یہ بھی سُنا کہ ان کتوّں نے شیر کو مار گرایا ہو؟"

پوڈل نے یہ جواب دیا:۔

"شیر کو مار گرانے کے متعلق میں نے نہیں سُنا۔ مگر ہندوستانی کتوّں کیا یہ بہادری قابلِ فخر نہیں ہے۔کہ وہ شیر پر حملہ کرنے سے دل نہیں چُراتے ہیں؟"

اس کے جواب میں پوڈل کے ساتھیوں نے کہا:۔

"اُن حالات کی بنا پر ہم نہیں سمجھتے۔کہ ہندوستان کے کتوّں کو ہم پر کیا فضیلت حاصل ہے۔ ہاں ہم یہ تسلیم کرتے ہیں۔کہ وہ ہم سے کہیں زیادہ بے وقوف اور کوتاہ اندیش ہیں کہ جان بُوجھ کر اپنے لیے موت مول لیتے ہیں۔"

لہٰذا اس اخبار نویس نے یُونان کے ارکین کو پوڈل اور یُونانی لشکر کو ناعاقبت اندیش اور شیخی خورہ ہندوستانی کتّا کہا اور ترکوں کو شیر سے تشبیہ دی۔ ان حالات میں یُونانیوں کو اس اخبار نویس پر غصہ آنا صاف ظاہر ہے۔گو یہ علیحدہ بات ہے کہ اس اخبار نویس کا اندازہ صحیح نکلا۔

برطانوی جرنل ٹاؤنشنڈ کے نام سے مشرق و مغرب	مصطفٰے کمال ترکی فوج کو ہٹا کر دریائے سقاریہ پر کیوں لے آیا۔

واقف ہے۔ اُس نے نہایت عزم سے کوت العمارہ کا بچاؤ کیا تھا۔ اسی جرنیل نے ترکوں کو بصرہ سے لے کر سلیمان پاک تک پے در پے شکستیں دی تھیں۔ کوت العمارہ کی فتح کے بعد یہ ترکی میں قیدی کے طور پر رہا۔ مگر بقول ٹاؤنشنڈ چونکہ ترک خود بہادر قوم ہے اور بہادر قوم کی عزت کرتی ہے۔ اس لیے ٹاؤنشنڈ کو نہ صرف عزت و احترام سے رکھا گیا۔ بلکہ اُس کو بہت سی آزادی بھی دی گئی تھی۔ اس صورت میں اُس نے ترکی کا نہایت قریب رہ کر مطالعہ کیا وہ اپنی آپ بیتی میں اس طرح لکھتا ہے :۔

"کثرت رائے یہ ہے۔ کہ جرمن سپاہی کو بچاؤ (DEFENCE) کی لڑائی میں دُنیا بھر کے سپاہیوں میں فضیلت اور یکتائی حاصل ہے۔ مگر میرا قیاس یہ ہے کہ مورچہ کی لڑائی میں جرمن سپاہی ترکی سپاہی سے کہیں کمتر ہے۔

اس بیان کی دلیل میں آپ گیلی پولی کے محاذ کو لے لیجئے۔ جہاں جرمن فوجی دستہ مورچہ لیئے ہوئے تھا۔ اُس مورچے پر برطانوی توپوں (یعنی بری، بحری) نے جب نہایت شدید گولہ باری کی، تو جرمن سپاہیوں کا بہت شدید جانی نقصان ہوا اور اُن کے حوصلے پست ہو گیئے۔ اس وجہ سے ان جرمن سپاہیوں کی جگہ ان مورچوں میں ترکی سپاہیوں نے لے لی۔

گو ترکوں کا جرمنوں سے کہیں زیادہ جانی نقصان ہوا مگر وہ اپنی جگہ پر جمے رہے اور آخر کار کامیاب ہو گئے۔

جب میں سلیمان پاک کے ترکی مورچوں کو فتح نہ کر سکا تو مجھے نہ تو حیرت ہوئی اور نہ مایوسی۔

سنہ ۲۲-۱۹۲۱ء کا ترکی سپاہی

آجکل کی ترکی پلٹن کا سپاہی اُس ترک سپاہی سے جس نے رُوس اور ترکی کی ۱۸۷۷ء کی جنگ میں حصّہ لیا تھا، بہت ہی مختلف ہے۔ کیونکہ اُن ایّام میں ترکی فوج کے جونیئر افسر مثلاً بٹالین اور کمپنی کمانڈر فن حرب کے اُصولوں سے کم تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے نابلد تھے۔ فی زمانہ تمام ترکی افسر تعلیم یافتہ ہیں اور صرف انہی نوجوانوں کو فوج میں کمشن ملتا ہے۔ جو کہ ترکی ملٹری کالج میں ڈگری حاصل کرتے ہیں اور ۱۸۷۷ء کی وضع کے افسر اب ترکی فوج سے نابُود ہیں۔

ایک اور قابل ذکر اور اہم بات یہ ہے۔ کہ پہلی عالمگیر جنگ کے دوران میں جرمنی کے بہت ہی چیدہ، قابل اور جنگجو افسر ترکی فوج میں شامل ہو گئے تھے یہ جرمن افسر ترکی افسروں کو اُن کے دفاعی فرائض منصبی اور جدید فن حرب کے اُصولوں سے ترکی افسروں کی نہ صرف راہنمائی کرتے، بلکہ اُن کو بہت ہی چوکس رکھتے۔ تاکہ وہ اپنے راستے سے کہیں

بھٹک نہ جائیں۔

مغربی مبصّرین کی غلط فہمی

جب یورپ کے دفاعی مبصّرین نے جنگ بلغاریہ میں ترکی پلٹنوں کو بلغاری فوج کے سامنے دُم دبا کر بھاگتے دیکھا۔ تو اُن مبصّرین نے جلد بازی یا کوتاہ اندیشی سے یہ یقین کر لیا۔ کہ موجودہ ترکی نوجوان لڑنا بھول گیا ہے۔ اور اب وہ مردانگی سے بھی ناآشنا ہے۔ مگر جب ہم کسی ہوشمند ترکی باشندے یا ترکی افسر سے دریافت کریں۔ کہ بلغاریہ میں ترکوں کو شکست کیوں ہوئی؟ تو وہ بلا تردید آپ کو یہی جواب دے گا۔ کہ اس کی وجہ "ترکی ینگ پارٹی" کا احمقانہ تصوّر تھا۔ کہ ترکی سپاہی کو نہ تو مذہبی احساس ہے اور نہ اُس میں اسلامی جذبہ یا جہاد کی قدر و منزلت ہے۔ لہٰذا یہ سپاہی جو غلط نظریہ کے تحت بلغاریہ میں لڑائے گئے تھے۔ دلیری اور بے باکی سے نہ لڑے۔ کیونکہ ان ترکی سپاہیوں کو مجاہدانہ جذبہ سے کہیں دُور کر دیا گیا تھا۔ قدرتی طور پر اس غلطی کا خمیازہ ترکوں کی شکست میں ملا۔"

چونکہ ترکی ینگ پارٹی ایک با اقتدار سیاسی پارٹی تھی۔ اس لیے جب ترکی جرنیلوں سے اس معاملے کے متعلق پوچھا گیا۔ تو انہوں نے اپنی لاعلمی یا حماقت یا پھر بزدلی کی بنا پر

با اقتدار سیاسی پارٹی کی ہاں میں ہاں ملا دی۔ اور اس طرح سے یہ نظریہ جبراً ترکی فوج کے سر پر تھوپ دیا گیا۔ یہ مسلّمہ امر ہے۔ کہ اناطولیہ کا ترکی سپاہی اسلامی جذبہ کے بغیر دل سے نہیں لڑ سکتا اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ترکی فوج کا بہترین جنگجو اور بہادر سپاہی اناطولیہ کا ترک ہے۔ اسلامی مذہبی جذبے کے بغیر ترکی سپاہی حب الوطنی یا وطن پرستی کے مسلمہ کو بھی سمجھنے سے عاری ہے۔ اور جس حکم میں وہ اپنے مذہب کی حفاظت یا عظمت نہیں پاتا، اُس حکم کی تعمیل اخلاقی طور پر بھی اپنے اُوپر روا نہیں سمجھتا اور اس وجہ سے اُس حکم کی تعمیل میں بھی وہ تن دہی سے کام نہیں کرتا۔

اسلام کی دہائی

مجھے اس بات کا یقین ہے کہ ترکی ملک کا حاکم یا اُس کے قبیلے کا سردار ترکی عوام کے سامنے 'اسلام' کے نام کی دُہائی دے۔ تو ترکی عوام اور سپاہی بڑے سے بڑے ایثار کے لیئے خوشی خوشی تیار ہو جاتے ہیں۔

دین اسلام اُن کی جان ہے۔ اور مذہب اسلام اُن کی زندگی ہے۔ اسلامی مذہب کا تصوّر ہی اُن کی زندگی کو خوشنما بناتا ہے اور موت کے بعد مسلم ترک کو شہادت کا درجہ دے کر اُس کو بہشت بریں کا حقدار بناتا ہے۔

جب ترکی سپاہی اسلامی جذبہ کے تحت بطور مجاہد لڑتا ہے۔ تو میری رائے میں ترکی سپاہی سے بہتر جانباز، بیباک جنگجو اور بہادر سپاہی دنیا بھر کے کسی خطہ میں نہیں ہے۔ ینگ پارٹی کے ایک لیڈر یعنی مصطفے اکمال نے اس غلطی کو جلد محسوس کر لیا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اب اخباروں، تقریروں، تحریروں میں اسلام کے مذہب کو خطرات سے بچانے پر زور دیا جا رہا ہے ۔۔۔۔۔"

"تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جوان ہوئے ہیں"

جہاں تک ہماری ذات کا سوال ہے۔ یہ مصرع بالکل صحیح مصداق ہے۔ شاید ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ تیغوں کے سایہ میں ہم پل کر بوڑھے ہو گئے ہیں۔ ساٹھ برس سے زائد عرصہ ہوا، جب ہم نے آنکھیں کھولیں تو فوجی فضا تھی۔ سپہ گری نسلاً بعد نسل ہمارا پیشہ رہا ہے۔ دفاعی دلچسپی ہماری گھٹی میں ہے۔ ٹاؤنشینڈ اور ماڈ دونوں وہ جرنیل ہیں جنہوں نے ترکوں پر فتح بھی پائی اور اُن کے ہاتھوں ہزیمت کا مزا بھی چکھا۔ فیلڈ جیرالڈ لی بہت تجربہ کار دفاعی مبصر اور اُستاد رہا تھا۔ اُس نے ترکوں کی جنگوں اور ملکی معاملات کو نزدیک اور قریب رہ کر دیکھا۔ سٹاف کالج کی درسگاہ کے لیکچر کے کمروں میں ترکوں کے جنگ و جدال

پر لکچر دئے۔ لہٰذا ان اصحاب کی رائے بہت ہی قیمتی ہے اور ہمیں ان اصحاب کی رائے سے پورا پورا اتفاق ہے۔ کیونکہ ہم نے خود ان سے کئی میدانوں میں نبرد آزمائی کی۔ ان کی قید کا بھی مزا چکھا۔ گو قیدی کی زندگی ہم نے بہت ہی قلیل عرصہ کے لیئے گذاری اور خوش قسمتی سے جان بچانے کا موقع مل گیا۔

ہم نہایت وثوق سے یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ پاکستانی عوام اور سپاہی ترکی سپاہی سے بے حد مشابہت رکھتا ہے۔ گو ہم برطانوی فوج میں ایک تنخواہ دار سپاہی کے طور پر لڑے مگر برطانوی افسروں کو خوب معلوم تھا کہ مشرقی بالعموم اور مسلمان بالخصوص صرف اسی وقت بیباکی اور دلیری سے لڑتا ہے جبکہ وہ اخلاقی اور دینوی جذبات سے سرشار ہو جاتا ہے یہ حالات اسوقت تھے جبکہ ہم غیر قوم اور غیر مہذب حکمراں کے لئے لڑائیاں لڑتے رہے۔ ہم نے اس تصویر کا دوسرا رخ محاذ کشمیر میں دیکھا۔ اور ان ایام میں بھی جبکہ فساد پسند عناصر کی وجہ سے پاکستان میں کئی جگہ فسادات کی وبا پھیل گئی۔ ان حالات میں ہمارے پاس نہ تو کافی اسلحہ تھا اور نہ ہی کافی فوج اور جو فوج تھی وہ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر خستہ حالی میں ہندوستان سے پاکستان آئی تھی۔ اس نصف منظم فوج نے وہ معجزات دکھلائے جس کا بیان ہمارے لیئے باعث فخر ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ ان سپاہیوں

اور افسروں کے دلوں میں صرف ایک جذبہ تھا اور وہ تھا استحکام پاکستان اور دین اسلام کی روایات کی پابندی۔

شری سری پرکاش جو کہ بھارت کے ہائی کمشنر تھے۔ بے اختیار یہ پکار اُٹھے۔ کہ یہ سپاہی نہیں فرشتہ ہیں۔ جن کو نہ نفس کی حرص ہے نہ زر کا لالچ جو خود بھوکے رہ کر ان ہندوؤں کو خوشی خوشی سے بہترین کھانا کھلاتے ہیں۔ جنہیں ان کی نگرانی اور حفاظت میں چھوڑا گیا تھا۔

میں گارڈن پولیس اسٹیشن میں شری سری پرکاش صاحب سے کچھ انتظامی معاملات پر گفتگو کر رہا تھا۔ کہ ایک ہندو روتا چیختا ہوا پولیس اسٹیشن کے احاطہ میں داخل ہوا۔ قدرتی طور پر ہم نے اُس سے رونے اور چلانے کی وجہ پوچھی ہاں میں یہ کہنا بھول گیا۔ کہ اُس وقت رات کے ساڑھے گیارہ بجے تھے۔ اُس ہندو نے کہا۔ کہ میں نے اس سپاہی سے کہا تھا۔ کہ میری جان بچائے اور میں نے اُس کو بیس ہزار روپوں کا بنڈل دے دیا تھا۔ یہ جب مجھے پولیس کے احاطے کے پاس چھوڑ کر جانے لگا۔ تو مجھے روپے واپس دے دئے جو کہ میں نے گنے اور وہ درست تھے۔ تو میں نے پانچ ہزار کے نوٹ اُس کو پیش کیے۔ جو اُس نے میرے منہ پر مارے۔ میں یہ سمجھا کہ یہ رقم اُس کی نظر میں کافی نہیں ہے۔ لہٰذا میں نے اندازاً

پانچ ہزار کے نوٹ اور پیش کیئے۔ مگر وہ یہ کہہ کر جانے لگا۔ کہ "میں مسلم سپاہی ہوں اور تمہاری حفاظت میرا اخلاقی فرض ہے"

"میں یہ روپیہ اسے اس لیئے دے رہا ہوں کہ اُس نے کئی ہزار کے زیورات کے علاوہ میری بیوی اور بچّوں کی جان بچائی ہے اور میں تو اُس سے رو رو کر التجا کر رہا تھا۔ کہ میری بات مان جائے"

یہ اور اسی قسم کے چند واقعات شری سری پرکاش صاحب نے قلمبند کر کے قائداعظم کو روانہ کر دیئے۔

اسی طرح کشمیر کے برف سے ڈھکے ہوئے پہاڑوں پر میں نے پاکستانی مجاہدوں کو قمیض اور شلوار یا پتلون میں گھنٹوں کھڑے ہوئے دیکھا ہے۔ لیکن کبھی ان کے لب پر شکایت نہیں آئی تھی۔ وہ صبر و استقلال کا مجسّمہ تھے۔

موجودہ زمانے میں مغربی تصوّرات کا دور دورہ ہے۔ پاکستان اُس سے بچ نہیں سکا ہے۔ ہمارے سیاسی لیڈر ہر روز بدلتے ہیں۔ ان حالات میں ہم دفاعی نظم کو بدلتا دیکھ رہے ہیں۔ جس طرح سے ترکی ینگ پارٹی کے سیاسی لیڈروں کی دھینگا مشتی یا کسی اور وجہ سے ترکی جرنیلوں نے ترکی فوج کے نظام کو بدل ڈالا تھا۔ اُسی طرح سے ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کہ ہمارے سیاسی لیڈر محض چند ووٹ

حاصل کرنے کی خاطر یہ شور و غل کرتے ہیں۔ کہ مشرقی پاکستان کے اتنے فرد ہوں اور مغربی کے اتنے۔ بات یہاں تک ہی ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ اب تو قبیلوں اور ذاتوں کے لحاظ سے بٹوارہ ہونے لگا ہے۔ ہم نے ابھی پنشن نہ لی تھی۔ کہ جب یہ سوال پیدا ہوا تھا۔ مگر اس وقت کوئی بھی وجہ سمجھئے۔ یہ ٹل گئی۔ مگر اب اسے اصلاح کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

ہم آپ سے یہ کہتے ہیں۔ کہ ہر پاکستانی کو مردِ مجاہد ہونا چاہیئے۔ مصطفےٰ کمال نے اس اصول پر عمل کیا۔ پیشتر اس کے کہ ہم اس مسئلہ پر بحث کریں۔ پہلے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں۔ کہ برطانیہ نے جہاں پر قومی اختلافات کے بیج بوئے، وہاں انہوں نے "ایک حد تک" کامیابی کیسے حاصل کی۔ ہم نے یہ فقرہ ایک حد تک اس لیئے دانستہ طور پر لکھا ہے۔ کہ جنگ عظیم کے بعد برطانیہ کو اپنی یہ غلطی محسوس کر کے تسلیم کرنی پڑی۔ اس غلطی کی رُوداد سکنیر کمیٹی نے قلمبند کی۔ جس کا نائب صدر بندہ تھا۔

ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ محکمۂ دفاع کے حکام محض سیاسی لیڈروں کی خوشنودی کی خاطر یہ نظم تسلیم کر رہے ہیں۔ تاکہ اُن کی ملازمت کے دن چین اور آرام سے گذر جائیں۔ تاریخ اپنے اوراق دُہراتی ہے۔ یہ تعلیمات قرآنی ہے۔ جسے ہر دفاعی ماہر بھی تسلیم کرتا ہے۔ مثال کے طور پر ہندوستان کا ۱۹۳۰ء کا

زمانہ لے لیجئے۔ اس وقت یورپ میں سیاسی بحران شروع ہو گیا تھا۔ ہندوستان میں کانگرس اقتدار پر تھی۔ بھائی صلو بھی اُن دم بھرنے لگا تھا۔ خالصہ جی بھی ہندی کانگرس کے پجاری بن گئے تھے۔ اس آزاد خیالی کی بنا پر کئی تعلیم یافتہ سکھوں نے کیس، کڑہ، کنگھا، کچھا اور ڈاڑھی کو خیرباد کہنا شروع کر دیا تھا۔ حکومت برطانیہ (ہند) کی بے شمار نوازشوں کے باعث سکھ فارغ البال تھے۔ حکومت ہند صرف خالصہ کو فوج میں بھرتی کرنا چاہتی تھی، مگر ایسے رنگروٹ نہ ملتے تھے۔ لارڈ برڈوڈ جو کہ کمانڈر انچیف تھے۔ انہوں نے جب سکھ لیڈروں سے شکایت کی۔ تو انہوں نے ان شرائط کو رفع کرنے کے لیے درخواست کی۔ لہٰذا لارڈ برڈوڈ نے سکھ لیڈروں کو شملہ کے ہوٹل میں دعوت دی۔ اور اُن سے یوں مخاطب ہوا:۔

تمہیں سکھ مذہب سے صرف اتنی ہی دلچسپی ہے یعنی جس کی مدد سے ہم سکھ سپاہی کو خالصہ جی بنا کر میدانِ جنگ میں لڑاتے ہیں۔ اگر انڈین آرمی فوجی سکھ کو خالصہ جی بننے اور رہنے پر مصر نہ ہوتی۔ تو اب تک سکھ مذہب کبھی کا اپنی اہمیت کھو بیٹھا ہوتا۔ اگر جٹ سکھ فوج میں خالصہ جی کی زندگی بسر کرنا پسند نہیں کرتا اور اگر وہ پانچ کے (K) کیس، کنگھا، کڑا، کچھرا اور کرپان کی پابندی سے آزاد ہونا چاہتا ہے تو ہم جٹ سکھ کی بھرتی بند کر دیں گے اور اُس کی

جگہ دوسری قوموں کو لے لیں گے۔"

چونکہ جٹ اور کھتری سکھوں نے برڈوڈ کی یہ بات نہ مانی تو فوج میں رام داسیہ، لبانہ، مذہبی سکھ وغیرہ کی بھرتی شروع کر دی گئی۔ یہ قومیں دیہاتوں میں کمین کہلاتی تھیں اور جولاہے، لوہار، بڑھئی، مستری وغیرہ کے کام کرتے تھے۔ ان قوموں کے لیے جالندھر میں اور بعد ازاں دوسرے مقامات میں سنٹر کھولا گیا۔ جہاں بھرتی ہونے کے بعد ان کو مذہبی تعلیم دی جاتی۔ اور "پانچ ککے" کی پابندی کرائی جاتی۔ یہ لوگ آجکل بھارت کی رائل لائیٹ انفنٹری کے افراد ہیں۔ یہی وہ پلٹن تھی۔ جس کے لیے شری پنڈت نہرو جی نے فخریہ کہا تھا۔ کہ ہم نے ان کی مدد سے جاٹوں، سکھوں اور راجپوتوں کو منظم اور با امن رہنا سکھلایا۔ ان کا اشارہ دراصل دلّی کے فسادات کی طرف تھا۔ جبکہ لائیٹ انفنٹری اور مدراسی پلٹنوں نے فسادات کو رفع کرنے میں نمایاں کام کیا تھا۔

جب ہم تاریخ کے اوراق کو دُہراتے ہیں۔ تو پتہ چلتا ہے کہ برطانوی افسروں نے کس طرح سے خالصہ جی کو جنم دیا اور اُس کو انتقام کی آگ میں جلا کر مسلمانوں کے خلاف ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں لا کھڑا کیا۔ خالصہ جی چاہے کچھ ہی کہیں۔ مگر تاریخ یہی کہتی ہے کہ برطانیہ نے عالمگیر جنگ میں زر خرید علما

کے ذریعے ہندوستان اور مصر کے مسلمانوں کو ترکوں سے لڑایا۔ عرب کو آزادی کا لالچ دیا۔

یہی وہ آلہ تھا جس کو لے کر لارنس اور اُس کے ساتھی ناطولیہ میں پہنچے تھے۔ لہٰذا جب مصطفےٰ کمال میدان جنگ میں کامیاب ہو گیا۔ تو اُسے ابھی کئی قسم کے شر اور ڈپلومیٹی شطرنج میں بازی لے جانا باقی تھا۔ اس کا بیان ہمارے دائرے سے باہر ہے کیونکہ اس مضمون پر ایک ضخیم کتاب لکھی جانی لازمی ہے۔ تاکہ مصنف اس ڈپلومیٹک اُلجھنوں کے ساتھ معاشی اور دینی مرحلوں کو سمجھا سکے۔ بہرحال ہم اگلے باب میں اُن چند اُمور کو آپ کے سامنے پیش کر دیں گے۔ جن کو سلجھانے کے لیے اتاترک نے اپنی زندگی اپنی قوم کی نذر کر دی۔ اللہ تعالےٰ اُسے غریقِ رحمت کرے۔ آمین ثم آمین!

مصطفیٰ کمال آخری منزل کی طرف

پہلا قدم ۱۸ر اکتوبر ۱۹۲۲ء کو رفعت پاشا مصطفیٰ کمال کی حکومت کے نمائندہ کی حیثیت سے اسلام بول پہنچا۔ وہاں کے عوام نے اُسے شاہانہ طرز کی خوش آمدید کہی۔ جس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے۔ کہ استنبول کے عوام انقرہ کی حکومت سے توقعات لئے ہوئے تھے۔

جب رفعت پاشا ۲۹ر اکتوبر کو خلیفہ کی محل سرائے میں ملاقات کے لیئے داخل ہوا۔ تو اُس نے ماضی کے شاہی آداب کو بالائے طاق رکھا۔ اور اپنے ہتھیار لگائے ہوئے خلیفہ سے ملا۔ یہ ملاقات خاصے لمبے عرصے تک رہی۔ خلیفہ بہت عیّار اور شاطر سیاستدان تھا۔ اُس نے رفعت سے یہ معلوم کر لیا کہ :-

۱۔ انقرہ کی حکومت اب استنبول کی حکومت یعنی باب عالی کو ضروری نہیں سمجھتی۔ اور اس لیے اُسے ختم کرنے پر تُلی ہوئی ہے۔

۲۔ انقرہ حکومت کے اراکین خلیفہ کو ترکی حکومت کی شکست اور یونانیوں کے ہاتھوں قتل اور غارتگری کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔ اور وہ لوگ خلافت کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ خلیفہ نے رفعت کو ڈپلومیسی طریقے سے یہ کہہ دیا۔ کہ خلافت صرف اناطولیہ کے ترکوں کا مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ تمام مشرق اسلامی کا مسئلہ ہے۔ بہرحال گو بظاہر یہ ملاقات کسی فیصلے کے بغیر ختم ہوگئی۔ مگر خلیفہ نے اپنے لیئے پروگرام بنانا شروع کر دیا۔ رفعت جب انگورہ پہنچا۔ تو یکم نومبر ۱۹۲۲ء کو اُس نے تمام ارکان مجلس کبیر کو تفصیل سے حالات بتا دیئے۔ مصطفےٰ کمال نے جب اراکین کے دلوں میں خلافت کے متعلق تذبذب سا پایا تو اُس نے اراکین کے سامنے کئی گھنٹے مسلسل خلافت کی تاریخ دُہرا دی۔ کہ خلافت کس طرح سے حضرت ابوبکرؓ کو ملی۔ خلفائے راشدین کے حالات بنو اُمیہ، بنو عباسیہ، بنی فاطمہ کی خلافت کا ذکر کیا۔ اور یہ بھی کہا۔ کہ ایک ہی وقت میں تین خلیفہ تھے۔ ایک بغداد میں، دوسرا قاہرہ میں، اور تیسرا اُندلس میں۔

پھر اُس نے بتایا۔ کہ کس طرح سے یہ خلافت عثمانی ترکوں کے ہاتھ لگی۔ اور کس طرح سے کئی عثمانی خلفا کو ذلیل و خوار کیا۔ اُس کو دشمنوں کے ہاتھ بیچ دیا۔ یہی نہیں۔ بلکہ خلیفہ وحید الدین نے خلافت کے ساتھ ترکی ملک، ترکی قوم، اور ترکی ننگ و ناموس کو یونانیوں کے ہاتھ انگریزوں کی وساطت سے بیچا۔ اور اس وقت بھی انگریز جگہ جگہ فساد و عناد پھیلا کر ترکی علاقے کو برباد کر رہے ہیں۔

اس تقریر نے اراکین مجلس پر گہرا اثر کیا۔ اور کئی تجویزیں پاس کی گئیں۔ جن میں مفصلہ ذیل بہت اہم ہیں:۔

۱۔ مجلس اراکین وطنی نے متفقہ طور سے خلیفہ کے خلاف بحیثیت غدّار موت کی سزا تجویز کی۔ خلیفہ کے معاون مجلس میں موجود تھے۔ مگر حالات کی بنا پر خاموش رہے اور جلد انقرہ سے غائب ہو گئے۔ شیخ مصطفےٰ آفندی نے خلیفہ کو تار برقی سے مجلس کی روئداد سے مطلع کر دیا۔

ذکی بے کی وساطت سے خلیفہ نے اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالے کرنے کا انتظام کر لیا۔ ۱۱ نومبر ۱۹۲۲ء کو وحید الدین جرنل ہیرنگٹن کی مدد سے برطانوی جہاز 'ملایا' نامی پر کثیر زر و جواہرات کے ساتھ سوار ہو کر استنبول سے چلا گیا۔

کیا برطانیہ نے ہار مان لی؟ نہیں بلکہ انہوں نے فوراً ہی

مقامی ترکی شیوخ اور پاشاؤں کی مدد سے عبدالمجید خان کو پھر سے خلیفہ بنا دیا۔ گو اسی خلیفہ کو چند سال قبل انگریزوں نے ہی خلافت سے برطرف کیا تھا۔

مصطفےٰ کمال نے اس خبر کو اس طرح سے سنا جیسے اس کے وقوع میں آنے کی اُسے پہلے سے خبر تھی۔ اور اُس نے وحیدالدین کو زر و جواہر سمیت جانے سے بھی نہ روکا۔ نئے خلیفہ کے خیر خواہوں نے اسے اپنی جیت اور انگریزی اقتدار کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ اور عوام سے کہا۔ کہ انقرہ کی حکومت کی ہمت نہیں ہے۔ کہ کوئی اقدام اُن کے خلاف اُٹھائے۔

مجلس وطنی کے ارکان نے آپس میں اعتراضات کیئے۔ مگر کسی نے مجلس کے سامنے یہ سوال پیش نہ کیا۔ کہ وحیدالدین کو کیوں سزا نہ دی گئی۔ اور اُس کے فرار میں کیوں مزاحمت نہ کی گئی۔

معاہدہ لوزان ۱۹۲۲ء

دوسرا اقدام برطانیہ نے اب یہ کوشش کی کہ موتمر صلح سے حکومت انگورہ اور باب عالی کو اپنے نمائندے بھیجنے کے لیئے دعوت بھیجی۔ مصطفےٰ کمال نے اس تجویز کو رد کر دیا۔ کہ ترکوں کی نمائندہ حکومت صرف ایک ہے اور وہ انگورہ

کی حکومت سے جب برطانیہ نے یہاں شکست کھائی۔ تو انہوں نے یہ چال چلی۔ کہ مجلس کبیر وطنی کے بہت سے اراکین کو اس بات پر رضامند کیا۔ کہ انگورہ کی طرف سے رؤف پاشا جو کہ صدر اعظم بھی تھا۔ وفد کا لیڈر بن کر جائے۔ مگر یہاں پر بھی مصطفےٰ کمال نے ارکان مجلس کو اس بات پر راضی کر لیا۔ کہ وفد کا امیر عصمت پاشا کو بنا کر بھیجا جائے۔

برطانیہ کے وفد کا لیڈر لارڈ کرزن تھا۔ جو کہ عیاری، دانشمندی اور تجربہ کاری کے لحاظ سے بہت مشہور تھا۔ وہ ہندوستان کا وائسرائے بھی رہ چکا تھا۔ لوزان میں کئی ہفتے مباحثے جاری رہے۔ لارڈ کرزن کئی بار ضبط کو ہاتھ سے کھو کر دھمکیوں پر اتر آیا۔ مگر عصمت اپنی جگہ پر اڑا رہا۔ دول یورپ کے کئی نمائندے انگریزوں سے دل برداشتہ تھے۔ اس لیے کرزن کو شکست ہوئی۔ اور ۲۸ اکتوبر کو لوزان کے معاہدہ کو طے کرا کر دستخط کرانے میں کامیاب ہو گیا۔ برطانیہ کے لیے ڈپلومیسی کے میدان میں یہ بہت عظیم شکست تھی۔ لہٰذا انہوں نے جوابی حملے میں کئی کارروائیاں شروع کر دیں۔

دوسری لوزان کانفرنس جنوری ۱۹۲۳ء میں ہوئی۔ مگر درہ دانیال کا مسئلہ حل نہ ہو سکا۔

مجلس کے ارکان میں انتشار برطانیہ کا پہلا قدم یہ تھا۔

کہ اس نے رؤف پاشا کو اکسایا کہ اس کی ہتک ہوئی ہے۔ چنانچہ لارنس اور رؤف نے مل کر شیخ لشکری آفندی کے ذریعے سے اشتہارات، پمفلٹ اور تقریروں کے ذریعے سے ملک بھر میں یہ پراپیگنڈہ کرایا۔ کہ خلافت اسلامیہ کو برقرار رکھا جائے۔ شیخ لشکری کے پیرو بہت کثرت سے تھے۔ لہٰذا اسے عوام کو اکسانے میں کامیابی حاصل ہو گئی۔ خصوصاً جبکہ لارنس نے نہایت فیاضی سے سونا بہایا۔

کمال اناطولیہ کا باشندہ نہیں ہے

اس کے ساتھ ہی عوام میں یہ بھی چرچا کیا۔ کہ مصطفےٰ کمال سالونیکا میں پیدا ہوا تھا۔ اناطولیہ میں اس کی حیثیت اجنبی کی سی ہے۔ اور اس کو مجلس وطنی کبیر میں ترکوں کا نمائندہ کہلانے کا کوئی حق نہیں ہے۔

رؤف کی پارٹی

رؤف نے استنبول کے اخبارات میں بیان دیا۔ کہ وہ بذاتِ خود جمہوریت کے خلاف ہے۔ اور خلافت کے حق میں ہے۔ جو کہ صدیوں سے ہمارا ورثہ بن چکی ہے۔

اس اعلان پر علی فواد، کاظم قرہ بکیر، لطفی بے اور ڈاکٹر عدنان وغیرہ رؤف کے ساتھ مل گئے۔ اور بطور اظہار عقیدت انہوں نے خلیفہ کو ایک گھوڑا "اقونیہ" نامی پیش کیا۔ یہ یاد رہے

کہ قونیہ عثمانی ترکوں کا دارالخلافہ رہ چکا تھا۔ اس طرح سے خلیفہ پھر سے سیاسی بحران کا مرکز بن گیا۔ رؤف نے اپنی پارٹی کا نام "جمعیت ترقی جمہوریت" رکھا۔

سر آغا خان برطانیہ کے اشارے پر سر آغا خاں نے اپنی جماعت خلافت کے نمائندہ ہونے کی حیثیت سے عصمت کو خط لکھا اور خلافت کو بحال رکھنے کیلئے سخت تاکید کی۔

اخبارات استنبول، ہندوستان اور برطانیہ کے اخبارات نے خلافت کو قائم رکھنے کا راگ اس لئے گانا شروع کیا کہ اتحادیوں نے خلیفہ سے خلافت کو برقرار رکھنے کا وعدہ کیا تھا۔

تعجب تو یہ ہے کہ کسی نے اعلانیہ انگریزوں یا اتحادیوں سے یہ نہ کہا کہ "حضور آپ نے اور بہت سے وعدے کئے تھے جو کہ آپ کے اپنے اختیار میں ہیں۔ پہلے انہیں تو پورا کیجئے۔ یہ ضرور ہے مختلف وفد اس سلسلے میں لندن گئے مگر ان کے ساتھ جو بے عزتی یا بے اعتنائی کا سلوک ہوا تھا سب کو معلوم ہے۔

افسوس کہ مسلمان چونکہ اپنی روایات کو بھول چکے تھے۔ لہٰذا قدرتی امر ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان کو احکامات قرآنی کے مطابق ذلت اور ہلاکت کا موجب ٹھہرایا قرآن مجید میں باری کا ارشاد ہے۔

"مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ جب کہا جاتا ہے۔ کہ اللہ کی راہ میں قدم اٹھاؤ تو تمہارے قدم بوجھل ہو کر زمین پکڑ لیتے ہیں۔

اگر تم اللہ کی راہ میں قدم نہ اٹھاؤ گے۔ تو وہ تمہیں ایسے عذاب میں مبتلا کرے گا۔ جو دردناک ہوگا اور تمہاری جگہ دوسری قوم کو انتخاب کر دے گا۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

مصطفےٰ کمال کا جوابی حملہ | یکم مارچ ۱۹۲۵ء کو مصطفےٰ کمال نے مجلس وطن کبیر کے ارکان کو جمع کیا۔ اور نہایت قابلیت سے یہ تجاویز مختلف ارکان سے پیش کرا کے مجلس سے منظور کرا لیں:۔

۱۔ شیخ صفوت آفندی نے تجویز پیش کی کہ خلافت کو ختم کیا جائے اور سلطانی خاندان کو جلا وطن کر دیا جائے۔

۲۔ خلیل حقی آفندی نے تحریک پیش کی کہ وزارت معاملات دینی اور اوقاف کو ختم کر دیا جائے۔

۳۔ آصف بے نے یہ تجویز پیش کی۔ کہ سیاست و وحدت تعلیم کی بندش کے لیے ہے۔

۴۔ کمال کو صدر جمہوریت چن لیا گیا۔

۳ مارچ ۱۹۲۵ء | کو یہ سب تجاویز کثرت رائے سے پاس ہو گئیں اور احکام شرعیہ مجلس کے سپرد کر دیئے گئے۔ وزارت شریعت و اوقاف بند کر دی گئی اور تمام امور دینی وزارت تعلیم کے سپرد ہو گئے۔

شیخ راسخ آفندی نے تجویز پیش کی کہ وہ مسلمانوں کی طرف

سے یہ تجویز پیش کرتا ہے۔ کہ مصطفےٰ کمال کو سلطان اور خلیفہ کا لقب پیش کیا جائے۔"

مصطفےٰ اس زہریلی چال کو سمجھ گیا۔ لہٰذا اُس نے نہایت حکمت عملی سے اس مسئلہ کو ٹال دیا۔ اور اپنے لیے صدر کی ذمہ داری کو زیادہ موزوں بتایا۔ کیونکہ خلافت شرقیہ میں کئی بادشاہ اور حکمران ہیں۔ جو دوسری حکومتوں کے زیر اثر ہیں۔ اگر اُن کے نام احکام جاری کیئے گیئے۔ تو وہ یقیناً نہ مانیں گے۔ لہٰذا ایسے مرکز موہوم کی پیروی مضحکہ خیز نہیں تو کیا ہے؟

انقرہ کے گرد و نواح میں

کردوں نے اپنے سردار شیخ سعید کے تحت علم نبوت بلند کیا۔ کاظم، رؤف اور لارنس (کا روپیہ) ان کی پشت پر تھا۔ مناسب ہوگا ہم یہاں علم نبوت، پر کچھ روشنی ڈالیں

علم نبوت، حرز، سیوف۔ اسلام، خمر الٰہیہ

درویشوں، مولویوں، بکتاشیوں کے شیوخ، رفاعی وغیرہ حضرات نے اناطولیہ میں جا بجا اپنے تکیئے بنا رکھے تھے۔ جہاں پر سادہ لوح لوگ اُن پر روپیہ وغیرہ نچھاور کرتے تھے۔

ہر تکیہ نہایت ہی پُر فضا جگہ میں قائم کیا تھا۔ جہاں انگور کے باغ کثرت سے ہوتے تھے۔ وہاں آقایان درویش خود

شراب تیار کرتے اور اُس کا نام اُنھوں نے خمر اللبیہ رکھ دیا تھا۔ یہ ان پر حلال تھی۔ اور نماز، روزہ، حج وغیرہ ان حضرات کو معاف تھے۔ رقص وطبلہ، بانسری وغیرہ کی نے سے اپنی آواز کو اللہ تک پہنچاتے تھے اور اپنے پیروں کی منتیں پوری کرواتے تھے۔ اُن کے لیئے نفس کے گناہ معاف تھے۔ یہ تکئے حسین لڑکوں اور عورتوں سے بھرے رہتے تھے۔ گنڈے اور تعویذوں کا نام "حرز" تھا۔

ایک لکڑی کی تلوار جسے وہ سبز رنگ میں رنگ دیتے تھے۔ وہ جب کندھے پر رکھ کر تکیہ سے نکلتے تھے تو اس کا مطلب یہ لیا جاتا کہ وہ جہاد پر جا رہے ہیں۔ اس لکڑی کی تلوار کا نام "سیوف اسلام" تھا۔

علم نبوت | سبز کپڑے پر کلمۂ شہادت (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ) لکھ کر جب اُسے لکڑی پر لگا کر بلند کر دیا جاتا۔ تو سادہ لوح مریدوں کا فرض ہو جاتا کہ وہ جہاد کے لیئے اُس جھنڈے کے تلے جمع ہو جائیں۔"

جو حال کہ ترکوں کا اس وقت تھا۔ وُہی حال آج کل پاکستانی عوام کا ہے۔ یہاں بھی اسلام کے نام کو پیر و مرشد درگاہوں کے سجادہ نشین اور مجاور بیچتے ہیں۔ اور سادہ لوح

پاکستانی مسلمانوں کو لوٹ کر عیش و طرب کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

عثمانی ترک اور اسلام

یہ امر قابل غور ہے کہ عثمانی ترک اُس وقت اسلام میں داخل ہوئے جس وقت دُنیا بھر کے مسلمانوں کے ذہنی انحطاط کا آغاز ہو چکا تھا۔

رُوح جہاد اگرچہ زندہ تھی۔ مگر رُوح اجتہاد مُردہ ہو چکی تھی۔ تہذیب اسلام نیم جان اور فکر اسلامی قریب قریب بے جان ہو چکی تھی۔ تمدّن میں عجمیت اور رومیت کے عناصر جو بنو اُمیہ کے دَور میں داخل ہوئے تھے۔ اب یہ پیوست ہو چکے تھے۔ قرآن اور سُنّت سے براہِ راست اکتساب علم رکھنے والے مفقود تھے۔ علوم و فنون میں مسلمانوں کی ترقی رُک گئی تھی۔ یا یُوں کہیئے۔ کہ ترکوں کی ابتدا ہی ایک بُنیادی کمزوری کے ساتھ ہوئی۔

جب عثمانی ترک وسط ایشیا سے آئے۔ تو اُن کے تمدّن کی بنیاد خانہ بدوشی پر تھی۔ ان کا ٹھکانہ ہر شاداب خطّہ ہوتا تھا۔ اُن کے پاس صنعت جنگ کے سوائے دُوسری کوئی صنعت نہ تھی۔ اُن کی تجارت حیوانات تک محدُود تھی۔ انہوں نے جنگی فتوحات حاصل کیں۔ تو آدھے

سے زیادہ مشرق میں پھیل گئے۔ عثمانی سلاطین نے پھر اپنا قدم یورپ میں جما لیا، اور ایسے وقت میں جمایا جبکہ عثمانی سلاطین نے اسلام اور شرق اسلامی کو گلے سے تو لگا لیا تھا مگر وہ ان کے دلوں کی گہرائیوں میں نہ اترا تھا۔

یورپ میں آکر عثمانی سلاطین، اُمرا اور لشکری، یورپ کی حسین لڑکیوں کے شیدائی بن گئے۔ ان سے شادیاں رچائیں۔ اور جس طرح سے ہندوستان میں مغل، ہندی آہو چشم لڑکیوں کی مستی میں اُلجھ کر ختم ہو گئے۔ اُسی طرح سے عثمانی ترک یورپ کی رعنائیوں کی دلدل میں پھنس گئے اور اسیر کاکل و رخسار ہو کر اپنا قومی وقار اور اپنی موروثی صنعت جنگ کو بھول گئے۔

جب وہ وسط ایشیا سے چلے۔ تو اُن کا دین اور وطن اسلام تھا۔ لہٰذا وہ صرف یہ جانتے تھے۔ کہ "اُٹھو اور اسلام کی خدمت کرو"۔ وہ اس نعرہ سے نا آشنا تھے کہ "اُٹھو اپنے وطن کی مدافعت کرو"۔ لہٰذا اسلامی روح جب اُن کے دلوں میں سے تقریباً غائب ہو گئی، تو اُن کے پاس نہ خدمتِ اسلام کا جذبہ تھا۔ اور نہ ہی کوئی اپنا گھر۔ ایسے ماحول میں اُنیسویں اور بیسویں صدی کے ترکی لیڈروں کے لیئے سب سے بڑا

معمّہ یہ تھا۔ کہ "ان کا وطن کونسا ہے ؟"

وہ اُخوت اسلامی کو بھول چکے تھے۔ اُن میں تُرکی قوم کی قدیم نسلی خصوصیات کے اثرات نظر آرہے تھے۔ ترکی علماء زیادہ الفاظ کے گورکھ دھندوں میں پھنسنے والے کلام کی پیچیدگیوں الجھنے والے اور متقدمین کے روندے ہوئے رستوں پر شرح و ایضاح کے جھگڑے چلانے والے تھے۔

امرا۔ اکثر و بیشتر قیصر و کسرلے کے ڈھنگ اور روایات پر چلنے والے تھے۔ روحانی پیشوا اسلام کے دور اوّل کی حقیقی صوفیت سے بیگانہ تھے۔ ہاں وہ راہبوں اور جوگیوں کی پیروی کرتے تھے۔ علوم و فنون میں مسلمانوں کی ترقی رک گئی تھی۔

مصطفےٰ کمال خود سالونیکا میں پیدا ہوا۔ یہ ترکوں کی خوش قسمتی تھی کہ اُس کی ماں نے اُس کی ابتدائی تعلیم مدرسہ (مسجد) میں دلوائی۔ اُس نے تعلیمات قرآنی حاصل کیں۔ اُس نے اپنے بچپن کی زندگی میں مدرسے سے نکل کر بکریاں چرا کر جنگلوں میں کئی سال بسر کئے۔ لیکن اُس کی تعلیم کا اہم ترین حصّہ مغربی تعلیم کا تھا۔ اور جوانی میں جب اُسے فن حرب میں کمال حاصل کرنے کا شوق ہوا۔ تو اُس ذوق و

شوق کی تشنگی فرانسیسی کتب خانوں میں پوری ہوئی۔ یہ ضرور ہے کہ مصطفےٰ کمال نے تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا تھا۔ مگر اُسے کوئی ایسی کتاب اپنی زبان یا فرانسیسی زبان میں نہ ملی۔ جو اسلامی دفاعی علم کو نئی طرز میں پیش کر سکے۔ اس کے باوجود جو سندیں ہمیں برطانوی اور جرمنی کے دفاعی ماہروں سے حاصل ہوئی ہیں۔ ان سے یہ صاف ظاہر ہے کہ مصطفےٰ کمال کو جو کچھ کہ دفاعی تاریخ اسلام سے ملا۔ اُس نے نہایت ہی قابلیت سے پورا پورا عمل کیا۔ مثلاً "محمد" اور "فاطمہ" کی فوج، رضاکاروں کی بھرتی اور اُن میں اسلامی روایات کو برقرار رکھنے پر سختی سے عمل کیا۔

مصطفےٰ کمال کی وہ تقریر جو اُنہوں نے مجلس وطنی کبیر کے ایوان میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر عثمانی خلفا کے حالات پر کیں۔ یہ ثابت کرتی ہیں۔ کہ جو کچھ کہ ترکی زبان کی کتب اور علما کے ذریعے سے ترکوں کو ورثہ سے ملا تھا۔ اُس کا مصطفےٰ کمال نے بغور مطالعہ کیا تھا۔ اور اُس علم کو بوقت ضرورت کارگر طریقے سے استعمال کیا تھا۔

مصطفےٰ کمال کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ تھی کہ انور یا اُس کے ساتھی مغربیت کے شیدائی تھے اور اسلامیات سے بالکل کورے تھے۔

آخری اقدام

خلافت کا خاتمہ ۳ مارچ ۱۹۲۵ء رات کے دس بجے خلیفہ عبدالمجید کو "دولمہ باغیچہ" نامی قصر میں نیند سے جگا کر حکومت انگورہ نے خلافت تنسیخ کی اطلاع دی اور اُسے جلاوطنی کا حکم سنایا۔ خلیفہ نے شروع میں تو بہت تکرار کی۔ کہ ملک اس کا چاہنے والا اور خیر خواہ ہے۔ اور خلافت اُسے ورثہ میں ملی ہے لہٰذا وہ اپنے وطن ہی میں رہے گا۔ مگر بعد ازاں وہ جلدی سے تیار ہو گیا۔ اور صبح ہونے سے پیشتر خلیفہ اور اُس کے تمام خاندان کو ایک سپیشل ٹرین میں سوار کرا دیا گیا۔ اور اس طرح سے خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔

نقلی جنگ مصطفےٰ کمال نے تمام ترکی فوج کو انقرہ کے قریب جنوری ۱۹۲۵ء میں جمع ہونے کا حکم دیا تھا۔ یہ سب فوجیں نقلی جنگ میں مصروف تھیں۔

القابات کا خاتمہ خلافت کے خاتمے کے بعد مصطفےٰ کمال نے پاشا۔ بے۔ شیخ الاسلام وغیرہ تمام القابات منسوخ کر دیئے۔

مصطفےٰ کمال اب اتاترک تھا۔ فوزی پاشا اب مارشل

چکمک تھا۔ عصمت پاشا اب عصمت اینونو تھا۔ ترکی عورت اب "بایاں فلاں" اور مرد "بائی فلاں" بن گئی۔ غازی اور اسی قسم کے القابات ختم ہو گئے۔

مارشل چکمک کی علیحدگی

اتاترک نے مجلس کے سامنے ملک کے حالات پیش کیے۔ اور ارکان سے اس بات کی اجازت لے لی۔ کہ تمام باغیوں کو سخت ترین سزا دی جائے۔ چنانچہ ارکان مجلس نے اتاترک کو ڈکٹیٹر کے اختیارات دے دئے۔

مارشل چکمک سجادہ نشینوں وغیرہ کے خلاف سخت کارروائی کے حق میں نہ تھا۔ مگر جب دوسرے ارکان نے اس کی نہ سنی تو وہ استعفیٰ دے کر چلا گیا۔ اتاترک کو اس بات کا بہت صدمہ ہوا۔ مگر وہ اپنے فیصلے پر قائم رہا۔ اور چکمک کی علیحدگی کو صبر و استقلال سے قبول کر لیا۔ اب ترکی حکومت کی باگ ڈور اتاترک اور عصمت اینونو کے ہاتھ میں تھی۔

حکومت جمہوریت ترکی کے لیئے کچھ مرحلے

اب بظاہر خلافت مٹ گئی تھی۔ مگر اس کے طرفدار کئی جگہ بغاوت کا علم بلند کیئے ہوئے تھے۔

۱۔ پہلا مرحلہ | کمال نے اس فوج میں سے جو کہ نقلی جنگ کے

لیئے جمع کی گئی تھی اور جسے اُس نے اپنے دفاعی منصوبے کی مشق کرائی تھی، اب وہ اُس فوج میں سے چالیس ہزار فوج لے کر چلا۔ اور بجلی کی طرح سے کُردوں پر جا گرا۔ اور اُن کا بُری طرح سے صفایا کر دیا۔

اخبارات اس کے ساتھ ہی اتاترک نے تمام اخبارات کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔ تاکہ کسی کو یہ معلوم نہ ہو سکے۔ کہ کیا ہو رہا ہے۔ تار اور ڈاک پر بھی فوج نے قبضہ کر لیا۔

سبز علم جب اتاترک کُردوں کا صفایا کر رہا تھا۔ تو دوسرے دستے عصمت انونو کے ماتحت سبز علم اور دوسرے درویشوں اور یکشائیوں کو ختم کر رہے تھے۔

بغاوت کا خاتمہ ۱۹۲۵ء کے موسم بہار کے خاتمے سے قبل شیخ سعید کو دوسرے باغی لیڈروں کے ساتھ پھانسی کے تختوں پر لٹکایا جا چکا تھا۔ رجعت پسند یا تو قتل کر دیئے گئے یا وہ ترکی سے بھاگ گئے۔ لہٰذا عہدِ قدیم کے وہ تمام نشانات مٹ گئے۔ جنہوں نے ترکی کو بربادی کی طرف ڈھکیل دیا تھا۔ مگر ان تمام باتوں کے باوجود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ترکی کی بنیادی کمزوریاں ختم ہو گئی تھیں؟

۲۔ دوسرا مرحلہ | ان کمزوریوں کو سمجھنے کے لیے ہمیں حسب ذیل امور پر غور کرنا چاہیئے:۔

قوم دو طبقوں پر مشتمل ہوا کرتی ہے۔

۱۔ طبقۂ عوام:۔ یہ طبقہ تعداد میں کثیر ہوتا ہے۔ اور قوم کی عددی قوت اس طبقہ پر مبنی ہوتی ہے۔ لیکن سوچنے اور رہنمائی کرنے والے دماغ اس گروہ میں کم ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ نہ تو علم سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ اور نہ ان کے پاس مالی قوت ہوتی ہے نہ حکومت کا اقتدار ان کے ہاتھوں میں ہوتا ہے وغیرہ اس لیے قوم کا چلانا ان لوگوں کا کام نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ طبقہ چلانے والوں کے پیچھے چلتا ہے۔

۲۔ طبقۂ خواص:۔ قوم کے چلانے والے، نئی راہیں نکالنے والے اور قوم کی راہبری کرنے والے اس طبقہ کے لوگ ہوتے ہیں۔ جن کی ہر بات اور ہر روش اپنی پشت پر دماغ دولت، عزت اور حکومت کی طاقتیں رکھتی ہے۔ اور قوم کو طوعاً و کرہاً انہی کی پیروی کرنی پڑتی ہے۔ یا یوں کہیئے کہ قوم کی اصلی طاقت اس کے عوام نہیں بلکہ خواص ہوتے ہیں۔ انہی پر قوم کے بگڑنے اور بننے کا مدار ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد ہے:۔

"وہ لوگ جن کو اللہ نے اپنی نعمتوں سے سرفراز کیا"

اور قرآن مجید کے مطابق جب یہ طبقہ فسق و فجور، ظلم و تشدد اور بے انصافیوں اور طمع اور خیانت میں غرق ہو جاتا ہے۔ تو پھر ساری کی ساری قوم اس مرض میں مبتلا ہو کر بربادی کی راہ پر گامزن ہو جاتی ہے۔

ان ایام میں ترکی کی وہی حالت تھی جس کا نقشہ آجکل بہت سے اسلامی ممالک میں ہماری نظروں کے سامنے ہے۔

صدیوں سے ترکی سلاطین بالعموم اور اُن کے معلون مذہبی رہنماؤں نے بالخصوص اسلام کو ایک جامد اور غیر متحرک چیز بنا دیا تھا۔ ان مذہبی راہنماؤں نے زمانہ کے ساتھ کوئی ترقی نہ کی وہ نئے تغیرات سے بے اثر رہے۔ زندگی کے نئے مسائل سے کوئی غرض نہ رکھی۔ بلکہ اُن کی کوشش یہ رہی۔ کہ اپنی قوم کو زمانہ کے ساتھ چلنے سے روک دیں۔ تاکہ ان کی اپنی کم فہمی کا راز فاش نہ ہو جائے۔

ترکی عوام کا طبقہ دیہاتیوں کا تھا۔ یا شہریوں کا۔ اور خاص طبقہ کے لوگ ترکی خلیفہ۔ علما۔ پاشا، اُمرا اور ترکی ینگ پارٹی تھی۔ یہ طبقہ بحیثیت مجموعی تعلیماتِ قرآنی سے ناآشنا تھا۔

انقلاب کے بعد ترکی حکومت کی باگ ڈور اتاترک

کے ہاتھ میں تھی۔ ہم وثوق سے یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ اُن کا دل پورا پورا مسلمان تھا۔ اور ایمان سے لبریز تھا۔ اور ایمان بھی ایسا جسے قابل رشک کہنا چاہیے۔ الحاد اور بے دینی کا شائبہ تک اُن کے خیالات میں نہیں پایا جاتا تھا۔ ہمارے اس بیان کے بہترین دلائل اتاترک کے وہ عمل ہیں۔ جن پر وہ کاربند رہے۔ اور مرتے وقت اُن کی آخری وصیت ان دلائل کو بایہ تکمیل تک پہنچا دیتی ہے اس کو ہم آگے چل کر درج کریں گے۔

ہاں یہ ضرور ہے۔ کہ مصطفےٰ کمال کا دل جیسا مسلمان تھا۔ اُن کا دماغ ویسا مسلمان نہ تھا۔ مغربی تعلیم، مغربی علوم خصوصاً مغربی علوم حربیہ کے مطالعہ کے باعث انہوں نے مغربی عینک ہی سے دُنیا اور اسلام اور خود اپنی قوم کو دیکھا۔ لہٰذا اُن کے خیالات کی ترجمانی اس طرح کی جا سکتی ہے:۔

"میں ایسی ترکی قوم دیکھنا چاہتا ہوں۔ جسے کسی چیز سے تعصب نہ ہو۔ جو اپنے قبیلے کے سردار کی اُسی طرح سے اندھی اطاعت کرے۔ جیسی وہ وسط ایشیا میں کرتی تھی۔ میں ترکوں کو آزاد اور سربلند دیکھنا چاہتا ہوں۔ ہر ترکی عورت کو الجائی (تیمور کی بیوی) کی طرح سے میدان جنگ میں بہادر اور جفاکش اور جنگجو اور اپنے گھر میں دردمند بیوی ——"

ہمدرد ماں اور بہن بیٹی دیکھنے کا خواہش مند تھا"

وہ ترکی مردوں اور عورتوں کو اس آزادی کے ماحول میں دیکھنا چاہتا تھا۔ جیسی وہ وسط ایشیا میں تھیں۔ تاکہ وہ اپنے کھیتوں، ریوڑوں اور معاملات خانگی میں اپنے مردوں کے ساتھ شانہ بہ شانہ چلیں۔ وہ آزادی سے اپنے بر کو پسند کر سکیں۔ اور شادی کے وقت آزادانہ اور بے باکی سے محفل برات میں آئیں۔ اور اپنے شوہر کے ساتھ ہنستی کھیلتی اپنے نئے گھر کو چلی جائیں۔

وہ محبت کی دیوی ہوں۔ اور عصمت کے بچاؤ کے وقت شیرنی سے زیادہ غضبناک ہوں۔ اس کے قیاس میں ترکی عورت کو چار دیواری میں بند کرنا رومہ کی تقلید تھی۔ تاکہ ان کی لوٹ مار کی کنیزیں ان کے پہلو سے کہیں بھاگ نہ جائیں۔

مذہب اور سیاست

اتاترک کے نظریہ میں اسلام دوسری چیز ہے۔ اور دنیوی تمدن دوسری چیز۔ اس کے خیال میں تمدن اسلام محض اسلامی اصولوں سے مکمل نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اس میں عربی، عجمی، یونانی، رومی اور ہندی وغیرہ اصول شامل تھے۔

متعصب شیوخ اور مقدس مزاروں کے جانشینوں نے اس کے نظریہ کو بے حد بدنام کر دیا ہے اسے فروخت کر دیا

ہے۔ اسی لیے اتاترک کہتا تھا۔ کہ دین میرے اور میرے رب کے درمیان ہے۔ لیکن دُنیا میرے اور مغرب کے درمیان ہے۔ عہدنامہ سعد آباد سے اتاترک اپنی اُخوت اسلامی کی ترجمانی کرتا تھا۔ اور وہ یہ چاہتا تھا کہ پہلے دُنیا بھر کے مسلمان اپنی اپنی جگہ ملکی اور جمہوری آزادی حاصل کرلیں۔ پھر وُہ مغرب کے استعمار پسند استبداد پرست حکومتوں کے اثرات سے کلیتہً آزاد ہوکر اپنے مفاد کی وحدت و یک رنگی کے لیئے آپس میں سیاسی، اقتصادی۔ معاشرتی اور ثقافتی تعلقات مضبوط بنیادوں پر قائم کریں۔ اس لیئے ترکاب ترکی کی خاطر زندہ رہیں گے۔ یہ اُن کا وطن ہوگا۔

اُن میں اب اسلام کے علم کے اُٹھانے کی طاقت نہیں رہی ہے۔ یہ کام اُنہوں نے چھ صدیوں تک کیا۔ اور مصیبت کے وقت کوئی مسلم حکومت اُن کی مدد کے لیئے اس لیئے نہ پہنچ سکی۔ کہ مسلمان اُن کی مدد کرنا نہ چاہتے تھے۔ بلکہ وُہ خود دُوسری حکومتوں کے غلام ہونے کی وجہ سے معذور تھے۔ ترکوں کی خود اب یہ حالت ہے کہ انہوں نے غلامی سے تو نجات حاصل کرلی ہے۔ اور بس! وہ مشکل سے اب اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے ہیں۔ اور دوسروں کی مدد کرنے کی اُن میں اہلیت باقی نہیں رہی ہے۔

آزاد ترک اور تعلیم

اتاترک کی خواہش یہ تھی۔ کہ وہ ترکی تمدن کو مغرب کے تمدن سے بہتر بنائے۔ مگر اس کے ساتھ ہی وہ ترکوں کی اولاد کی تربیت کو حریت اور جہاد کی فضا میں پرورش دینا چاہتا تھا تاکہ وہ مغرب کے تیز رو سیلاب کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو جائے۔ ترکی کی نئی نسل حصول استقلال کی کوشش کرے۔ تاکہ ترکوں کی آئندہ نسلیں اطمینان کے ساتھ آزاد رہ سکیں اسی لیئے اتاترک نے ترکی تاریخ اور ترکی جغرافیہ کو بچوں کی تعلیم میں لازمی قرار دیا ——— یہ وہ عمل ہے جس کی اہمیت کو سب سے پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اجاگر کیا۔ پھر مغرب نے اسے اپنی مشعل راہ بنایا اور اب اشتراکی دنیا اس طرز عمل پر نہایت پابندی سے عمل کر رہی ہے۔

جہاں کمال اتاترک نے اسلامی علما کی کوتاہ نظری کی وجہ سے اسلامیات کی تعلیم کے نصاب کو بدلا۔ وہاں اس نے ایک نہایت اہم قدم یہ اٹھایا۔ کہ تمام بدیسی مدارس میں مسیحی تعلیم کو بند کر دیا۔ اور ان سکولوں اور کالونٹوں کی تعلیم کو لازماً ترکی زبان میں کر دیا۔ پاکستان اور دوسرے اسلامی ممالک اس طرز عمل سے بہت فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

مثلاً پاکستان کے کانونٹوں اور گرامر اور پبلک سکولوں میں عیسائی تعلیم اور گرجے میں جا کر نماز کی ادائیگی ہر مسلم طالب علم کے لیئے لازمی ہے۔

لباس کا مسئلہ اتاترک یہ کہتا تھا کہ ترکی ٹوپی (طربوش) اور قلپاق، طاقیہ اور طرطور مخروطی (کردوں)، ہم نے روم سے لی۔ اور جب محمود ثانی نے اسکو پہننے کا حکم دیا۔ تو عوام اور فوج نے بغاوت کر دی تھی اب ترک اسے اسلامی نشان بتاتے ہیں۔ جیسے وہ کچھ عرصہ پہلے شعار نصرانیت بتاتے تھے۔

سفید، سرخ، سبز عمامے اور لمبے لبادے ان مذہبی پیشواؤں نے یہودی راہبوں سے لیئے۔ اور اُن کے ساتھ ہی اُن سے عیاری فریب کاری اور گداگری کو بھی اپنا شعار بنا لیا۔ اور مساوات اسلامی کو خیرباد کہہ کر اپنے گروہوں کے لیئے خاص علامت تجویز کر لی۔ اور دلوں میں تعصب اور بغض کو جگہ دے دی۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے اپنے گروہوں کے لیئے یہ فضیلت موروثی بنا لی۔

اتاترک کے معاون جب ہم اتاترک کے مرحلوں اور مشکلات کو سوچتے ہیں، تو ہمیں کئی باتوں پر غور و فکر کرنا پڑتا ہے مثلاً

ترکی ینگ پارٹی کیوں ظہور میں آئی

سترہویں صدی سے ترکوں کی حکومت میں زوال کے آثار پیدا ہو چکے تھے عوام کے خاص طبقے اصلاح چاہتے تھے۔ مگر وہ ہر بار ناکام رہے۔ اٹھارہویں صدی میں حالات اور بھی خراب ہو گیے۔ تو عوام نے یہ محسوس کیا۔ کہ ترکوں کی اخلاقی، مذہبی، علمی، تمدنی اور سیاسی حالات میں انتہائی کمزوری کے سبب جب ان صدیوں کے عثمانی خلفا جاہل صوفی اور تنگ نظر علما میں ترکی کے یہ سیاسی اور مذہبی پیشوا اسلام کی حقیقی تعلیمات سے قطعاً ناواقف ہیں اور ترکی کو کئی صدیوں سے ترقی کی راہ پر چلنے سے روکے ہوئے ہیں۔

انیسویں صدی میں شیخ اسلام عطاء اللہ آفندی نے سلطان کے خلاف کفر کا فتویٰ اس بنا پر دے دیا تھا۔ کہ سلطان سلیم نے ترکی فوج کو سنگین سے ہتھیار بند کر دیا تھا۔ سلطان کا یہ فعل شیخ الاسلام کے خیال میں احکامات قرآن کے خلاف تھا۔ چنانچہ بغاوت ہوئی۔ اور سلطان سلیم کو معزول کر دیا گیا۔

اس ماحول میں ترکوں کے خاص طبقہ کے نوجوانوں میں خاص کر اپنی قومی پستی کا احساس ہوا۔ یہ نوجوان طبقہ ایک طرف تو اسلامی تعلیم سے بے بہرہ تھا۔ اور دوسری طرف انہوں نے یورپ کے کالجوں میں تعلیم پائی تھی۔ لہٰذا وہ

مغربی تعلیم و تہذیب کے دلدادہ ہو چکے تھے۔

جب اُنھوں نے مغربی قوموں کی ترقی کے اسباب پر غور کیا۔ اور اُن کے علوم و آداب کا مطالعہ کیا۔ اُن کی تنظیمات پر گہری نگاہ ڈالی۔ تو اپنی خوابوں کی نئی سلطنت کے لیئے قوانین، انتظامی اُمور، تعلیمی ادارے اور حربی نظام کے لیئے ایسی تجاویز تیار کیں، جن کی مدد سے وہ مغربی قوموں کے دوش بدوش ترقی کر سکیں۔ اُن کا مقصد صرف یہ تھا۔ کہ مغرب کی مفید چیزوں کو لے کر اپنی سلطنت اور اپنی قوم کی کمزوریوں کو دُور کر دیں۔ اور زندگی کے میدان میں یورپ کے ساتھ برابر کی مطابقت کر سکیں۔ ان ترکی نوجوانوں کا شیخ الاسلام نیز دیگر علما اور شیوخ سے ان لوگوں کی نفس پرستی اور عیاشی کے باعث بیزار ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ ان مغرب کے پرستار نوجوان ترکوں کے خیال میں "مذہب" ترقی کی راہ میں ویسے ہی مانع تھا۔ جیسا کہ مغرب میں چند صدیوں پہلے مسیحیت اور پادری ——— ایسی باتیں انسان کے دل میں کراہت کے سوا اور کیا پیدا کر سکتی ہیں؟

مغربی قوموں کی طرح سے ینگ پارٹی پر ترکی نیشنلزم کا جن سوار ہو چکا تھا۔ چونکہ یہ لوگ اسلامی علوم سے بالکل

بے بہرہ تھے۔ اس لیے وہ یہ نہیں سمجھتے تھے۔ کہ اسلام نے قومی عصبیت کو بدترین لعنت قرار دیا ہے۔ لیکن ہم ترکی ینگ پارٹی سے زیادہ ترکی کے علما اور شیوخ کو گنہگار ٹھہراتے ہیں۔

افسوس کہ سولہویں صدی سے بیسویں صدی تک اس (علما کے) طبقے نے ایک بھی شخص پیدا نہ کیا۔ جو قرآن مجید کی بصیرت رکھنے والا۔ اور اسلامی تعلیم کی حقیقی رُوح کو سمجھنے والا تھا۔ اور جو قوم کی راہنمائی کرتا۔

یہ تھے وہ چند مرحلے جن کو اتاترک کو اپنے معاونوں کے ساتھ سلجھانا تھا۔ اتاترک نے ایک ترک کی مانند عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ گو اتاترک انقلاب پسند تھا۔ مگر وہ اصلاح پسندی کا نظریہ رکھتا تھا۔ اور وہ اُس انقلاب پسند کی روش کو ناکارہ تصوّر کرتا تھا۔ جو جوش اور غضب میں آنکھیں بند کر کے نشتر چلاتا ہے۔ اچھے بُرے کی تمیز کیئے بغیر اس لیئے کاٹتا چلا جاتا ہے۔ کیونکہ اُس کا مقصد خوف و ہراس پیدا کرنا ہے۔ اور مرہم کا خیال صرف اُس وقت اُس کے دل میں آتا ہے۔ جب قطع و بُرید کر لینے کے بعد جسم کا ایک خاص حصّہ غارت ہونے لگتا ہے۔ اس وقت اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے۔ دراصل یہ طرز

اشتراکی حکومتوں کا ہے۔ جو کہ آئے دن ہمارے سامنے ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً اشتراکیوں نے پہلے یہ اعلان کیا۔ کہ مذہب کی رواداری اُن میں نہیں ہے۔ مگر اُن کو اپنی غلطی کا احساس اُس وقت ہوا۔ جبکہ وہ مسلمانوں کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ پہلے تو سٹالن نے رُوس میں اور پھر ماؤسی تنگ نے چین میں اسلام کو قانونی طور سے ایک مذہب قرار دیا۔

ہم اس بات پر بحث نہیں کریں گے۔ کہ اتاترک نے اصلاحات قائم کرتے وقت کہیں کہیں قصاب کی چھری، زیادہ سختی سے چلائی ہو۔ مگر نتائج کو دیکھتے ہوئے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کہ اتاترک نے اپنی قوم کا کامیاب آپریشن کیا۔ اللہ تعالیٰ اُس کی رُوح کو جنت میں جگہ دے۔ آمین ثم آمین!

درۂ دانیال پر ترکی کا دوبارہ قبضہ

لوزان کانفرنس دوبارہ ہوئی۔ اتاترک کے نمائندے نے ترکی کے لیئے ہر بار کچھ نہ کچھ وصول کر لیا۔ مگر درّہ دانیال کا قبضہ ابھی تک کھٹائی میں تھا۔ اتاترک موقع کا منتظر رہا۔ جو اُسے ۱۹۳۵ء میں ملا۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ جبکہ ایک طرف ہٹلر آسٹریا اور رائن لینڈ پر قبضہ جمانے کی فکر میں تھا اور

دوسری جانب مسولینی نے اپنے آقا ہٹلر کی مدد کی خاطر بھر وسط کا مسئلہ چھیڑ دیا تھا۔

اتاترک نے ترکی کی حفاظت کے خیال سے آبنائوں کا سوال اٹھا کر درّہ دانیال پر دوبارہ قلعہ بندی شروع کر دی۔ برطانیہ اور فرانس میں بھی اندرونی طور سے پھوٹ تھی۔ اس سیاسی کش مکش کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ درسائی کے عہد نامے کو نظر انداز کر کے لیگ آف نیشنز نے ترکی مطالبہ تسلیم کر لیا۔

ماؤنٹ رے کا معاہدہ معاہدہ لوزان پر دستخط کرنے والے تمام ممالک ماؤنٹ رے کے مقام پر جمع ہوئے اور ۲۸ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو انہوں نے درّہ دانیال پر ترکی اقتدار کی مہر توثیق ثبت کر دی۔ اس طرح سے ۲۴ سال کے بعد ترکی پھر اس زبردست قلعہ اور راستے کا مالک و مختار بن گیا۔

اگر دول یورپ یہ اہم راستہ ترکی کے حوالے نہ کر دیتے تو جنگ عظیم ثانی میں اس کے اثرات نہ معلوم کیا ہوتے بہرحال اس راکٹ بم اور ہائیڈروجن بم کی دنیا میں اسلام بول اور ترکی علاقے کی وہی اہمیت ہے۔ جو کہ آج سے چھ سو برس پہلے قسطنطنیہ کی تھی۔ اس وقت اس آبنائے نے مسیحیت

اور مسلمانوں کو الگ الگ کر رکھا تھا۔ اور اب یہ دروازہ اشتراکی سیلاب کو نہایت کامیابی سے روکے ہوئے ہے۔

معاہدۂ یثرب کی تقلید | اتاترک نے حضرت محمدؐ کی تقلید کرتے ہوئے جب باغی کردوں، ارمنوں اور شیوخ اور خود ساختہ مہدی کی بغاوتوں کو فرو کر دیا۔ تو اتاترک نے سب سے پہلے اپنے ہزیمت خوردہ یونان کی طرف اپنی دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور اپنی عظمت اور دور بینی کا ان الفاظ سے اظہار کیا:۔

"ہمیں اپنی جنگی یادگاروں کے مقابل اب یونان کی دوستی زیادہ عزیز ہے"

اور اس کے بعد ریاست ہائے بلقان سے معاہدات مرتب کیے۔

یہ تھیں وہ بنیادیں جن پر مضبوطی سے قائم ہو جانے کے بعد اتاترک نے درۂ دانیال پر قابض ہونے کی فکر کی۔

اتاترک کے آخری لمحے | ۸ نومبر ۱۹۳۸ء کو یمن کا وفد اس غرض سے آیا۔ کہ یمن، شام، نجد و حجاز کو معاہدہ سعد آباد میں شمولیت کا فخر بخشے۔ اس وفد کا سربراہ عبداللہ مزروح تھا۔

اتاترک کی صحت خراب تھی۔ ڈاکٹروں نے مشورہ دیا تھا۔

کہ بالکل آرام کرے۔ مگر پھر بھی آپ نے معاہدہ مرتّب کرنے کا حکم دیا۔ اور جس وقت معاہدے پر دستخط کیے تو یوں فرمایا:۔

"خدا کا شکر ہے۔ کہ آج اتحاد اسلامی کا پروگرام مکمّل ہو گیا۔ جو خداوندِ عالم نے میرے سپرد کیا تھا"

تُرکی میں کُہرام ۹ نومبر ۱۹۳۸ء کی شام کو اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی۔ کہ اتاترک کی حالت خراب ہو گئی ہے۔ اُس پر دوبارہ فالج گرا ہے۔ ڈاکٹروں نے اور بھی سختی سے دماغی کام نہ کرنے کی تاکید کی۔ مگر وہ آرام کرنے والے لوگوں میں سے نہ تھے۔ اس حالت میں بھی بحری فوج کے جدید انتظام کے منصوبے کا پروگرام خود مرتّب کیا۔

جب زیادہ اصرار سے منع کیا گیا تو فرمایا:۔

"کہ بیکار بیٹھے رہنے سے تو یہ اچھا ہے۔ کہ میں وطن و ملّت کی خدمت انجام دے کر مر جاؤں"

اتاترک نے انتقال سے تھوڑی دیر پہلے جب توفیق رشدی کی آنکھوں سے آنسو جاری دیکھے تو فرمایا:۔

"تم پروا نہ کرو۔ مَیں راضی برضا ہوں۔ اگر خداوند تعالےٰ کو مجھ سے کام لینا منظور ہے۔ اور ملّتِ اسلامیہ کی خدمت کرنا میری قسمت میں ہے تو میں ہرگز نہ مروں گا

اور اگر میرا وقت آگیا ہے تو میں خوشی سے دُنیا کو
خیرباد کہنے کو تیار ہوں۔ اگر میں مر جاؤں تو تم دنیائے
اسلام کو میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ :۔
"زندگی حرکت کا نام ہے اگر مسلمانوں کو زندہ رہنا
ہے تو وہ رسولِ عربی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے نقش قدم
پر چلیں۔ سادہ زندگی اختیار کریں، محنت اور
مشقّت کو اپنا شعار بنائیں۔ فضول نمائش اور
تضیع اوقات سے پرہیز کریں اور فوجی نظم و ضبط
سے رہیں۔ جس طرح سے فاروق اعظمؓ نے پیروان
اسلام کو فوجی نظام کی تاکید کی تھی اور رسول اللہ
صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حکم مطابق علم حاصل کریں
اور زندگی کا ایک لمحہ بھی بیکار نہ جانے دیں۔۔۔"
ان آخری کلمات کو لکھتے وقت مصنّف کے سامنے
قائداعظم کے وہ الفاظ آگئے۔ جو آپ نے میرے سامنے زیارت
(کوئٹہ) کے مقام پر اپنے ڈاکٹر سے فرمائے تھے کہ :۔
"تم مجھے موت سے کیوں ڈراتے ہو۔ میں جہاں تک
میرے بس میں ہے آپ کی ہدایات پر عمل کر رہا ہوں
میں اپنی زندگی کو قوم کے حوالے کر چکا ہوں۔ مجھے
اب موت سے ڈر اس لیے نہیں ہے۔ کہ جو میں

کرنا چاہتا تھا۔ اُسے خداوند کریم نے پورا کر دیا۔ اگر
میں مر گیا۔ تو تم سب پاکستان کو زندہ رکھو۔ اگر اللہ
تعالےٰ کو مجھ سے اور کام لینا ہے۔ تو وہ مجھے زندہ
رکھے گا۔ میں اب کراچی جاؤں گا۔ " " " "

ہمیں معلوم تھا۔ کہ قائداعظم کے ارادے کو بدلنا بے سود
ہے۔ لہٰذا ہم نے کوئٹہ کے ہوائی اڈے پر آپ کو زندگی میں
آخری سلام کیا۔

ان دونوں لیڈروں کی زندگیوں کے حالات کس قدر
ملتے ہیں۔ اور دونوں زندگی کے آخری لمحوں میں بھی ملت کے
کاموں اور خدمت میں مصروف رہے۔ دونوں غریب
گھرانوں کے تھے۔ مگر دونوں نے عزم، ایمان داری، اور
استقلال کی مدد سے اسلام کی بہت نمایاں خدمات
سرانجام دیں۔

اللہ تعالےٰ ہمیں ان حضرات کی نصیحتوں پر کاربند
رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین!

اُخوت و مساوات اسلامی زندہ باد!
تعلیمات قرآنی پائندہ باد!
آمین۔ ثم آمین

والحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم